ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

# فہرست مضامین

※

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

# پیش لفظ

انشورنس کے موضوع پر معاصر اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کے دوران میں اکثر یہ محسوس ہوا کہ اس کی فنی بنیادوں کو پوری طرح سمجھا نہیں جا سکا ہے یا اس کے اقتصادی کردار کا صحیح تجزیہ نہیں کیا جا سکا ہے اور اس بات پر بھی پوری طرح غور نہیں کیا گیا ہے کہ یہی طریقہ، جو آج سرمایہ دارانہ نظام کا جزو بن کر اُن مختلف خرابیوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے جن سے اس نظام کو پاک کرنا ممکن نہیں ہے، اگر اخلاقی اصولوں پر مبنی ایک صالح سماج میں اختیار کیا جائے تو اس سے کیا فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ عربی میں بعض تحریروں کے علاوہ تقریبًا تمام اُردو، عربی اور انگریزی تحریروں میں یہ بات مشترک نظر آئی کہ اس نئے طریقہ کو قرآن و سنت میں معتبر مصالح کی روشنی میں جانچنے اور شریعت کے اصول و مقاصد کو معیار بنا کر پرکھنے کی بجائے فقہی اصول و ضوابط کے مطابق فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ انشورنس کا طریقہ فقہ میں مذکور معاملات مثلاً شرکت و مضاربت، وکالت و کفالت اور موالاۃ وغیرہ میں سے کس کے تحت آتا ہے، اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ وہ ان میں سے کسی کے شرائط پر پورا نہیں اترتا یہ نتیجہ اخذ کر لیا جاتا ہے کہ اسے جائز نہیں قرار دیا جا سکتا! یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ "مال متقوم" کیا چیزیں ہیں، اور کون سے اُمور "محل عقد" ہو سکتے ہیں۔ فقہ کی عبارتوں کی روشنی میں ان کے جوابات تلاش کر کے یہ رائے ظاہر کی جاتی ہے کہ انشورنس میں جو چیز محل عقد بنتی ہے یا جس کو "مال متقوم" کے طور پر برتا جاتا ہے وہ خارج از فہرست ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان امور میں فیصلہ کن

بات یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان کون سے معاملات ومعاہدات اور طور طریقے معروف قرار پاتے ہیں۔ کن چیزوں کو وہ آج 'مال کے طور پر برتتے' ان کی قیمت ادا کرتے اور وصول کرتے ہیں اور کن اُمور کو محل عقد بناتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ چیزیں اور یہ اُمور نئے حالات کی پیداوار ہوتے ہیں جن سے پہلے انسان کا سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ دیکھا جانا چاہیے کہ اس برتاؤ سے عدل وانصاف کی خلاف ورزی تو عمل میں نہیں آتی۔ کسی کی حق تلفی تو نہیں ہوتی، اجتماعی مفاد تو نہیں مجروح ہوتا، یا اسلام کے مجموعی نظام اقدار سے کوئی بات ٹکراتی تو نہیں۔ تحقیق اس امر کی ہونی چاہیے کہ نئے طریقے اور نئے معاہدے معتبر شرعی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بن رہے ہیں یا ان کے دشمن ثابت ہو رہے۔ ان کے ذریعہ کتاب وسنت میں معتبر انسانی مصالح کا تحفظ عمل میں آرہا ہے یا ایسے مفاسد جنم لے رہے ہیں جن سے اسلام معاشرہ کو پاک رکھنا چاہتا ہے۔ جائز طریقوں، شرعی معاملات ومعاہدات، یا مال متقوم اور محل عقد ہو سکنے والی چیزوں کی کوئی دائمی فہرست مرتب کرنا ممکن نہیں۔ فقہ کی جن عبارتوں کا اس بحث میں حوالہ دیا جاتا ہے وہ بھی صدیوں پہلے ہمارے ماہرین شریعت نے اپنے دور میں معروف طور طریقوں کا جائزہ لے کر اسی طریقہ پر مرتب کی تھیں جس کے اختیار کرنے کا ہم آج پھر مشورہ دے رہے ہیں۔ نئے حالات نے ایسا کرنا ناگزیر کر دیا ہے۔

انشورنس جیسے مسائل پر غور وفکر کرنے کے سلسلہ میں یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے فقہی سرمایہ کا صحیح مقام متعین کریں۔ انسانی ذہن قوانین وضوابط مرتب کرتے وقت ان ہی نظیروں کو سامنے رکھتا ہے جو واقعی پیش آچکی ہوں یا جن کا پیش آنا اس دور کے حالات کے پیش نظر ممکن ہو۔ باوجود اس کے کہ ہمارے فقہاء کے رہنما اصول اللہ کی دائمی ہدایت سے ماخوذ ہیں اور ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے فیصلے بھی تھے، ان کے مرتب کیے ہوئے تفصیلی قوانین پر اُس زمان ومکان کا گہرا اثر پڑا ہے جن کے اندر وہ مرتب کیے گئے تھے۔ ماضی قریب میں انسانی زندگی میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ مثلاً سماج میں افراد کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ، نقل وحمل اور رسل ورسائل کے

ذرائع میں غیر معمولی ترقی، زندگی کے مختلف مظاہر کے پیچھے کام کرنے والے اسباب وعلل کا بڑھتا ہوا علم، خبروں، معلومات اور اعداد و شمار کی تنظیم اور استعمال کی صلاحیت اور فی الجملہ معیشت ومعاشرت کی تنظیم اور پیداوار دولت کے باب میں ٹیکنالوجی کی ترقی کے سبب آنے والے انقلابات...... ان تبدیلیوں کی وجہ سے نئے ادارے جنم لے چکے ہیں کاموں کے کرنے کے نئے طریقے دریافت ہوئے ہیں اور معاہدات ومعاملات کی نئی قسمیں سامنے آئی ہیں۔ معتبر انسانی مصالح کے تحفظ، مفاسد کے ازالہ اور معروف انسانی مقاصد کے حصول کے طریقوں میں بھی بڑی جدت، تنوّع اور وسعت پیدا ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں قرآن وسنّت کی روشنی میں نئے معاملات پر غور ناگزیر ہو چکا ہے، پرانی فقہ اِن معاملات میں رہنمائی نہیں کر سکتی۔

انشورنس کے موضوع پر یہ مختصر کتابچہ انہی احساسات کی پیداوار ہے۔ امید ہے کہ "شرکت اور مضاربت کے شرعی اصول" اور "غیر سودی بنک کاری" کے مطالعہ کے ساتھ اسلامی معیشت کا تصور اور زیادہ واضح ہوگا۔ یہ مقالہ "اسلام اور عصر جدید" (دہلی) میں تین قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ پھر اسے "الفرقان" (لکھنؤ) نے بھی اپنے صفحات میں جگہ دی تھی۔ مقالہ کا مطالعہ کرنے والوں میں سے متعدد اہل علم نے مجھے اپنی رایوں اور تبصروں سے استفادہ کا موقع دیا۔ جس کے لیے میں ان کا شکر گذار ہوں۔ آخر میں بیمہ زندگی سے متعلق ایک ضمیمہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو رسالے میں نہیں شائع ہوا تھا۔

دوسرے جدید مسائل کی طرح، معاشرہ کی اسلامی تعمیرِ نو کے سیاق میں انشورنس کے مسئلہ کی تنقیح وتحقیق کا کام بھی ابھی اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہے اور میں اہل علم سے ایک بار پھر اس غور و بحث میں حصہ لینے کی درخواست کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس میں ہم سب کی مدد فرمائے۔

محمد نجات اللہ صدیقی۔ علی گڈھ

۳ر شعبان ۱۳۹۳ھ

یکم ستمبر ۱۹۷۳ء

# تعارف

عصرِ جدید میں معاشی اور مالی امور کی تنظیم کے جو نئے طریقے اختیار کیے گئے ہیں اُن میں سے ایک انشورنس بھی ہے۔ موجودہ دور کی صنعتی ترقی اور بڑے پیمانے کی تجارت، صنعت اور زراعت کی تنظیم میں اس طریقہ کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ انشورنس کئی لحاظ سے بنک کاری سے بھی زیادہ اہم ہے۔ قدرتی طور پر اسلامی طرزِ زندگی کے احیاء اور اس کے سلسلے میں معاشی اور مالی امور کی تنظیم نو پر غور کرتے وقت بنک کاری کی طرح انشورنس کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے اس مقالے میں انشورنس کو اسی ضرورت سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ ہمارا موضوع یہ ہے کہ اگر زندگی کے اہم شعبوں کی تنظیم اسلام کے مطابق کی جا رہی ہو اور پورا معاشی اور مالی نظام اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جا رہا ہو تو انشورنس کے جدید طریقوں کے بارے میں ہمارا موقف کیا ہوگا۔ ہم اس کا جائزہ لیں گے کہ یہ طریقہ کن اصولوں پر مبنی ہے، آیا ان اصولوں کو اسلامی اصول زندگی کے ساتھ اختیار کر کے برتا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اور ان کے اختیار کرنے یا برتنے سے کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ ہم اس پر بھی نظر ڈالیں گے کہ دورِ جدید میں ان اصولوں کو کس طرح برتا گیا اور ہم ان خرابیوں سے کس طرح بچ سکتے ہیں جو موجودہ نظام انشورنس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ آخر میں ہم اسلامی نظام میں انشورنس کی تنظیم کے بارے میں کچھ تجویزیں بھی سامنے لائیں گے۔ یہ پوری بحث محض اصولوں تک محدود ہوگی اور نظام انشورنس کی فنی تفصیلات سے یا ان جزئی ترمیمات سے جن کی تنظیمِ نو کے سلسلے میں

ضرورت پڑ سکتی ہے تعرض نہیں کیا جا سکے گا۔

انشورنس کا طریقہ انسان کی ایک مفید علمی دریافت پر مبنی ہے، جس کی روشنی میں تھوڑی سی لاگت سے افراد ان حادثات کے مالی عواقب سے بے نیاز ہو سکتے ہیں جن کے وقوع کا حساب افراد کی کثیر تعداد کی نسبت سے تقریباً پوری صحت کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔ دوسری تمام علمی دریافتوں اور انکشافات کی طرح یہ اصول بھی اللہ کی ایک نعمت ہے جس سے استفادہ کرنا نہ صرف موزوں اور مناسب ہے بلکہ تمدنی ترقی کے لیے ناگزیر ہے اور اس میں اس "قمار" کا کوئی شبہ نہیں پایا جاتا جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ اسلامی تنظیم میں انشورنس کی تنظیم اس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ ہر طرح کے ناجائز عناصر سے پاک اور سماج کے لیے خیر و برکت کا موجب ہو۔ جدید انشورنس میں سود سرایت کیے ہوئے ہے مگر یہ اس نظام کا لازمی جز نہیں ہے۔ سود کے بغیر بھی انشورنس کی تنظیم ممکن ہے۔ اس تنظیم کے سلسلے میں یہ سوال بہت اہم ہے کہ اسے نفع کمانے کے لیے نجی کاروبار کا میدان بننے دیا جائے یا اس کی تنظیم ایک بنیادی خدمت کے طور پر ریاست خود کرے۔ ہمارے نزدیک زندگی کے بیمے اور دوسرے اہم دائروں میں انشورنس کو ریاست کی تحویل میں ہونا چاہیے اور اسے کفالت عامہ اور سماجی تحفظ کے وسیع تر نظام سے مربوط کر کے منظم کرنا چاہیے۔ البتہ انشورنس کے کچھ مخصوص دائروں کو جو مقابلۃً کم اہمیت رکھتے ہیں۔ نجی کاروبار اور تعاونی انجمنوں کے لیے چھوڑ دینا چاہیئے۔ انشورنس، سماجی تحفظ، کفالت عامہ اور مالیات عامہ کے باہم مربوط نظام سے ایک ایسی فضا قائم ہونی چاہیے جو سماج میں حاجت روائی اور عدل و مساوات کے پہلو بہ پہلو معاشی کارکردگی کی بحالی، اس میں اضافے اور مجموعی طور پر معاشی تعمیر و ترقی کے لیے سازگار ہو۔

---

## پہلا باب

# خطرا ور عدم تیقّن انسانی زندگی میں

انسانی زندگی میں خطر (RISK) اور عدم تیقّن (UNCERTAINTY) سے مفر نہیں۔ اکثر انسانی سرگرمیاں پُر خطر اور غیر یقینی حالات میں انجام پاتی ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ ہم چھوٹے خطر اور معمولی بیم کے عادی ہو جاتے ہیں لیکن معاشی سرگرمیوں کا دائرہ ایسا ہے جہاں اس خطر اور عدم تیقّن کے ساتھ مالی خسارے کا اندیشہ یا مالی نفع کی اُمید یا دونوں ہی وابستہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ہم کو متعلقہ خطر یا عدم تیقّن کا زیادہ احساس رہتا ہے۔

تمام انسانی سرگرمیاں زمانۂ حال میں انجام پاتی ہیں جب کہ ان کے نتائج مستقبل میں برآمد ہوتے ہیں۔ ان کا محرک بھی مستقبل میں کسی مفاد یا مصلحت کی تکمیل، کسی مرغوب چیز کو حاصل کرنا یا کسی ناگوار چیز سے بچنا ہوتا ہے۔ ماضی کا طویل تجربہ، موجودہ حالات کا جائزہ، اور اُن قوانین فطرت کا علم جو کائنات میں حکمراں ہیں۔ ہمارے اقدامات اور فیصلوں میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ انہی کی بنیاد پر کسی قدر اعتماد کے ساتھ نتائج کا اندازہ لگاتے ہوئے رہتے ہیں۔ بعض اعمال اور سرگرمیاں ایسی ہیں جن کے نتائج معلوم اور متعیّن ہوتے ہیں۔ دوسرے سرے پر وہ فیصلے اور اقدامات ہیں جن کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں۔ اس لیے ان کے بارے میں نہ تو ماضی ہماری کوئی رہنمائی کر سکتا ہے اور نہ موجودہ حالات کا جائزہ مددگار ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آئندہ حالات موجودہ حالات سے مختلف ہوں گے بعض اوقات ہمارے فیصلوں اور اقدامات کا تعلق ایسے امور سے ہوتا ہے جن سے وابستہ

قوانینِ فطرت کا ابھی تک ہمیں علم نہیں حاصل ہو سکا ہے ایسی صورت میں بجز فیصلہ کرنے والے کی عام بصیرت، پیش بینی یا اندازے کے کسی چیز کا سہارا لینا ممکن نہیں ہوتا اور نتائج غیر متعین اور غیر متیقن ہوتے ہیں۔ انسانی اعمال اور سرگرمیوں کا بڑا حصہ ان دونوں سروں کے درمیان واقع ہوتا ہے۔

معاشی زندگی میں مستقبل سے وابستہ توقعات کی تکمیل فرد کے مفادات و مصالح پر گہرا اثر ڈالتی ہے اسی لیے انسان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ علم و تجربہ ظن و تخمین اتحاد و تعاون اور دوسری ممکن تدابیر سے کام لے کر عدم تیقن اور خطر کو کم سے کم کیا جائے تاکہ معاشی سرگرمیاں نسبتۃً زیادہ اطمینان و اعتماد کے ساتھ انجام دی جا سکیں۔

## کاروباری خطر یا عدم تیقّن

اس مرحلے پر یہ مناسب ہوگا کہ ہم خطر اور عدم تیقّن کی مختلف قسموں کے درمیان امتیاز کرنے کی کوشش کریں۔ خطر کی ایک قسم وہ ہے جس کی پیمائش کسی طرح ممکن نہیں۔ مزید برآں خطر کی اس قسم کے ساتھ نقصان کا اندیشہ اور نفع کی امید دونوں وابستہ ہیں۔ مثال کے طور پر ایک صنّاع آج جس سامان کی تیاری کا فیصلہ کر رہا ہے وہ چند ماہ بعد تیّار ہو کر بازار میں فروخت کے قابل ہوگا۔ تیار شدہ سامان سے اسے جو آمدنی ہوگی اس کی مقدار اس پر منحصر ہے کہ چند ماہ بعد بازار میں اس سامان کی قیمتِ فروخت کیا ہوگی۔ یہ قیمت فروخت آج تیقّن اور قطعیت کے ساتھ نہیں معلوم کی جا سکتی۔ صرف اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اگر یہ سامان انوکھا اور اچھوتا ہے جس کے مثل سامان اب تک نہیں تیار کیے گئے تھے تو یہ اندازہ بھی دشوار ہوگا۔ دوسری طرف سامان کی تیاری پر آنے والی لاگت، بڑی حد تک معلوم اور متعیّن ہے اور آج ہی ادا کرنی ہے۔ ایسی صورت حال میں جو صنّاع سامان کی تیاری کا فیصلہ کر کے اس میں سرمایہ لگاتا ہے وہ اپنے اس اندازے کی بنا پر ایسا کرتا ہے کہ سامان کی قیمت فروخت اس کی لاگت سے زیادہ ہوگی۔ یہ اندازہ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ اندازہ غلط ثابت ہوا تو اُسے خسارہ ہوگا۔ صحیح ثابت ہوا تو اُسے نفع ہوگا

نفع یا نقصان کی مقدار ناقابلِ پیمائش ہے۔ یعنی سامان کی تیاری کا فیصلہ کرتے وقت نہیں معلوم کی جا سکتی۔ یہ خالص معاشی عدمِ تیقّن کی مثال ہے جس پر جدید نظریۂ نفع کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

## خطرِ محض

دوسری قسم ایسے خطرات کی ہے جن کے پیش آنے سے صرف نقصان کا اندیشہ وابستہ ہے، نفع کی اُمید کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان خطرات کا وقوع قابلِ پیمائش بھی ہے۔ شیشے کے برتن بنانے والا کارخانہ دار جانتا ہے کہ کچھ برتن ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ کسی ایک دن میں برتنوں کے ٹوٹنے سے کتنا نقصان ہوگا۔ البتہ اگر وہ سال بھر کا اوسط نکال لے تو اپنے روزانہ نقصان کا ایک ایسا تخمینہ قائم کر سکتا ہے جو عملی مقاصد کے لیے قابلِ اعتماد ہو، بحری سفر پر جانے والے جہازوں میں سے بعض ڈوب جاتے ہیں۔ کسی ایک جہاز کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ڈوبے گا یا نہیں۔ مگر ایک طویل عرصہ کا جائزہ لے کر یہ معلوم کیا جائے کہ ایسے ہی ہزاروں لاکھوں جہازوں میں سے کتنے جہازوں کو بحری سفر میں ڈوبنے کا حادثہ پیش آیا تو ایک ایسا اوسط نکالا جا سکتا ہے جو ڈوبنے کے امکان کی پیمائش کا کام دے۔ صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور کبھی کبھی مشینوں کی زد میں آ کر مجروح ہو جاتے ہیں۔ کسی ایک مزدور کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوگا یا نہیں۔ مگر ایک طویل عرصے میں بہت سے کارخانوں کے تجربے کی روشنی میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک سال میں ایک لاکھ صنعتی مزدوروں میں کتنے مزدور حادثے کا شکار ہوں گے۔

خطرات کی یہی قسم ہے جس کا مقابلہ اجتماعی طور پر کرنے سے افراد کے لیے سہولت پیدا ہو جاتی ہے اور کارگاہِ حیات میں ان کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسا کرنے کا موقع اس اصول کی بنا پر حاصل ہوا جسے اب قانونِ اعدادِ کثیر (LAW OF LARGE NUMBERS) یا قانونِ اوسط (LAW OF AVERAGES) کہا جاتا ہے۔ اس کی تشریح ہم آئندہ کریں گے انشورنس کا ہدف یہی قابلِ پیمائش خطرِ محض ہے۔

## قمار (جُوا)

خطرات کی مذکورہ بالا دونوں قسمیں غیر اختیاری ہیں، یعنی وہ انسان کی بعض روزمرّہ کی سرگرمیوں کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہیں۔ خطرات کی تیسری قسم ان خطرات پر مشتمل ہے جو روزمرّہ کی سرگرمیوں سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ انھیں انسان خود پیدا کرتا ہے یا ان سے ارادی طور پر اپنا تعلق قایم کرتا ہے۔ ان خطرات کے مول لینے کے نتیجے میں جہاں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں نفع کی بھی امید پائی جاتی ہے، اور یہی امید ان خطرات کو مول لینے کا محرّک ہوتی ہے۔ جُوا کھیلنے والا یا بازی لگانے والا ایسے ہی خطرات مول لیتا ہے اور ایسے خطرات مول لینے کو ہم قمار کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر زید اور عمر اپنے گھوڑے دوڑا رہے ہیں اور رام اور موہن بازی لگاتے ہیں کہ اگر زید کا گھوڑا آگے نکل گیا تو رام، موہن کو ایک رقم ادا کرے گا۔ عمر کا گھوڑا آگے نکل گیا تو موہن رام کو ایک رقم ادا کرے گا۔ یا زید اور عمر آپس میں یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ جس کا گھوڑا آگے نکل جائے اسے دوسرا فرد ایک رقم ادا کرے گا۔ اسی طرح بہت سے افراد لاٹری کا ٹکٹ خریدتے ہیں اس شرط پر کہ قرعہ میں جس کا نام نکل آئے گا اسے ایک بڑی رقم ملے گی اور جس کا نام نہیں نکلے گا اس کی وہ رقم سوخت ہو جائے گی جو اُس نے ٹکٹ کی قیمت کے طور پر ادا کی ہے۔ اس طرح کی خطر جوئی کا محرک بعض اوقات تفریح یا تقدیر آزمائی کرنا بھی ہوتا ہے ایسی خطر بازی قمار (GAMBLING) کہلاتی ہے۔

پہلی قسم کی خطر جوئی کاروبار (ENTERPRISE) کا جوہر ہے۔ یہ ایک ناگزیر اور مفید سماجی عمل ہے جو پیداوار اور نتائج کا حامل ہے۔ اس سے کسی طرح مفر نہیں زندگی گذارنے اور زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ایسے خطرات انگیز کرنے لازمی ہیں اگرچہ علمی اور فنی ترقی پیداواری عمل کی بڑے پیمانہ پر تنظیم اور منصوبہ بندی، ان خطرات کا دائرہ دن بدن محدود کرتی جا رہی ہے۔ ایسی خطر جوئی میں کوئی اخلاقی خرابی نہیں پائی جاتی بلکہ خود اس عمل سے بعض اخلاقی خوبیوں کو پروان چڑھنے اور مستحکم ہونے کا موقع ملتا ہے، مثلاً ہمت و جرأت، صبر و استقلال خود اعتمادی وغیرہ۔ ایسی خطر جوئی سے سماج کو مجموعی طور پر فائدہ ہوتا ہے۔ طلب کے مطابق

رسد کا اہتمام، نئے مصنوعات کی فراہمی اور فی الجملہ معیشت میں توسیع اور تنوع بڑی حد تک ایسی خطر جوئی کا رہین منت رہا ہے۔ خطر سے افراد کو نفع بھی حاصل ہوتا ہے اور بعض اوقات خسارہ بھی برداشت کرنا ہوتا ہے۔ مگر یہ بات کہ سماج کو برابر ایسے خطر جو ملتے رہتے ہیں۔ اس بات پر گواہ ہے کہ مجموعی طور پر نفع کا پلڑا نقصان پر بھاری رہتا ہے۔

دوسری قسم کے خطرات کے مقابلے کے لیے انشورنس کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ پہلی قسم کے برخلاف اس قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے کثیر تعداد میں افراد کی شرکت اور تعاون کی ضرورت ہے اس لیے، واضح شکل میں، اس کا ظہور نسبتاً دیر میں ہوا۔ اس سے متعلق اصول و قوانین کی دریافت چند سو سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے۔ البتہ اس بارے میں ہم اس طرح کے قبائلی رواج اور دستور کا حوالہ دے سکتے ہیں جس کے مطابق ان ذمہ داریوں کو جو کسی ناگہانی حادثے کی بنا پر ایک فرد یا چند افراد پر عائد ہوتی ہیں اجتماعی طور پر ادا کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ دستور انسانی زندگی میں زمانہ قدیم سے پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال قتل خطا کی دیت ہے جو قاتل کے رشتہ داروں کے ایک حلقہ پر ڈالی گئی ہے۔ قتل خطا بھی دراصل ایک حادثہ ہے جس کے مالی عواقب کی تلافی کے لیے ایک بڑے گروہ کو ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اس طرح ایک فرد کو جس کے ہاتھوں یہ سانحہ واقع ہو، زبردست مالی صدمے سے بچایا گیا ہے اور اس گروہ کے دوسرے افراد کو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اگر انہیں کبھی اس صدمے کا ہدف بننا پڑے تو ان کا بھی اسی طرح تحفظ کیا جائے گا۔ البتہ اس تحفظ کے بدلے ہر ایک کو کچھ 'لاگت' ادا کرنی ہوتی ہے، یعنی دیت کا متناسب حصہ اپنی جیب سے ادا کرنا ہوتا ہے۔[1]

## قانونِ اعدادِ کثیر

قانونِ اعدادِ کثیر کا واضح اور مکمل بیان نظریۂ اغلبیت (THEORY OF PROBABILITY)

---

[1] اس مسئلہ کی تفصیلات کے لیے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

کے متعدد اصولوں کو سمجھے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے یہاں ہم اس کے عام فہم پہلو بیان پر اکتفا کریں گے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ کسی تجربے کے مختلف ممکن نتائج میں سے ایک مخصوص نتیجے کے عملاً واقع ہونے کے امکان کا حساب اگرچہ ایک بار کے تجربے میں نہیں لگایا جا سکتا۔ مگر بہت سے تجربوں میں اس مخصوص نتیجے کی اضافی نسبت متعین کی جا سکتی ہے۔ یہی نسبت ایک تجربے میں اس مخصوص نتیجہ کے برآمد ہونے کے امکان کی پیمائش ہے۔ نیز یہ کہ ایک ہی جیسے افراد کے کثیر التعداد گروہ میں افراد کی بعض مشترک خصوصیات کی اوسط مقدار ایک متعین سطح پر قائم رہتی ہے خواہ اس کثیر التعداد گروہ کے افراد میں کمی بیشی اور تبدیلی عمل میں آتی رہے۔ مؤخر الذکر اصول کو قانون اوسط کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

پہلے اصول کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک آدمی ایک خاص ہدف پر نشانہ لگا کر بندوق سے گولی چلاتا ہے۔ ممکن ہے گولی ہدف پر لگے، ممکن ہے کہ نہ لگے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک بار گولی چلانے کا نتیجہ ان دونوں صورتوں میں سے کس صورت میں برآمد ہوگا۔ اگر وہی آدمی، اسی ہدف پر، اسی بندوق سے، ان ہی حالات میں، بار بار گولی چلائے اور یہ تجربہ ہزار ہا بار دہرایا جائے تو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ گولی کے ہدف پر لگنے کی اضافی نسبت کیا ہے۔ کثیر التعداد تجربات سے جو اضافی نسبت حاصل ہوگی وہی ایک بار گولی چلانے میں اس کے ہدف پر لگنے کے امکان کی پیمائش قرار پائے گی۔

دوسرے اصول کو سمجھنے کے لیے کسی متعین علاقہ میں بسنے والے لاکھوں افراد کے قد کی اونچائی کا اوسط نگاہ میں رکھیے۔ یہ اوسط ان افراد کی تعداد میں کمی بیشی، بعض افراد کے اس علاقہ سے باہر چلے جانے اور بعض دوسرے افراد کے اس علاقہ میں آبسنے سے متأثر نہیں ہوتا بلکہ تقریباً اسی سطح پر برقرار رہتا ہے۔ یہی حال ان افراد کے وزن اور ان کی نبض کی رفتار، خون کے دباؤ، وغیرہ کے اوسط کا ہے بشرطیکہ متعلقہ بنیادی حالات تبدیل نہ ہو جائیں، مثلاً آب و ہوا، غذائی عادات وغیرہ۔

یہ دونوں اصول اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ بعض مقداریں، جو افراد کے معاملے میں غیر متعین اور متغیّر ہوتی ہیں۔ یعنی ہر فرد کے لیے مختلف ہوتی ہیں، ایک ہی جیسے افراد

کی کثیر تعداد کے لیے متعین اور غیر متغیر ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس اصول کے اطلاق کا دائرہ کس قدر وسیع ہے! اس سے وہی مقداریں خارج ہیں جن کی تعیین کرنے والے بنیادی حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں اور اس تبدیلی کی سمت اور رفتار بھی بدلتی رہتی ہے۔ خوش قسمتی سے زندگی کے اکثر دائروں میں، بہت سی اہم مقداروں کا انحصار ایسے امور پر ہے جن میں زیادہ تغیر نہیں واقع ہوتا۔ اور جتنا ہوتا ہے اس کا اثر مختلف افراد پر یکساں نہیں پڑتا۔ بعض افراد پر جو اثر پڑتا ہے اس کے مقابلے میں دوسرے افراد پر مخالف اثر پڑتا ہے اور یہ اثرات ایک دوسرے کو کالعدم کر کے اوسط کو علیٰ حالہ قائم رہنے دیتے ہیں۔

## انشورنس کی ماہیت

اب ہم چند مثالوں کے ذریعے مذکورہ بالا اصول سے استفادہ کی ایسی صورتیں پیش کریں گے جو انشورنس کی ماہیت پر روشنی ڈال سکیں۔ ایک بازار میں کبھی کبھی کسی دکان میں آگ لگ جاتی ہے۔ آگ لگنے کے بعض اسباب ہمیں معلوم ہیں۔ بعض اسباب ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جو پوری طرح ہمارے علم میں نہیں آسکے ہیں۔ خاص طور پر اس معاملے میں ہمارا علم بہت ناقص ہے کہ کبھی کبھی یہ اسباب اس طرح سے کیوں جمع ہو جاتے ہیں کہ آگ لگنے کا حادثہ پیش آجائے ایسے بازار بہت سے ہیں اور ان سب میں یہ حادثہ پیش آتا رہتا ہے۔ ایسا عرصۂ دراز سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر بہت سے بازاروں میں آگ لگنے کے ایک طویل مدت کے واقعات کا جائزہ لے کر اوسط نکالا جائے تو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ایک سال میں ایک لاکھ دکانوں میں سے کتنی دکانیں آگ لگنے کے حادثے سے دوچار ہوتی ہیں۔ اگر اس حادثے سے محفوظ رہنے کے لیے کوئی غیر معمولی حفاظتی اور انسدادی تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو آئندہ چند برسوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ اوسط کس حد تک درست ثابت ہوا۔ اس طرح امکان اور واقعہ کی پیمائش کے درمیان فرق کی بھی تعیین کی جاسکتی ہے۔ مسلسل تجربات کی روشنی میں اس کی پیمائش بھی ہوسکتی ہے کہ امکان اور واقعہ کے درمیان فرق کس حد تک گھٹ یا بڑھ سکتا ہے۔ ان تمام حسابی اعمال کے نتیجے میں انسان کو جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسے وہ آگ لگنے کے

حادثہ کے مالی عواقب کی تلافی کے سلسلے میں استعمال کرسکتا ہے۔ چونکہ حفاظتی تدابیر اور بعض دوسرے حالات میں زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے لہٰذا رہنمائی حاصل کرنے سے قبل مذکورہ بالا حساب کے نتائج میں مزید ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس اہتمام کے باوجود غلطی کے امکانات باقی رہتے ہیں جن کی رعایت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ نظریۂ اغلبیت نے اس غلطی کے امکانات کی پیمائش میں کافی مدد دی ہے جس سے بالآخر مذکورہ بالا رہنمائی زیادہ قابلِ اعتماد اور نتیجہ خیز بن جاتی ہے۔

کسی ایک آدمی کی موت کا وقت غیر متعین ہے جو آدمی آج عمر کے اکیسویں سال میں داخل ہوا ہے وہ یہ سال پورا کرکے بائیسویں سال میں قدم رکھے گا یا نہیں؟ اس سوال کا جواب یقین اور قطعیت کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ مگر یہ بات تقریباً یقین کے ساتھ متعین کی جا سکتی ہے کہ اسی جیسے ایک لاکھ افراد جو عمر کے اکیسویں سال میں داخل ہو رہے ہیں ان میں سے کتنے افراد عمر کے بائیسویں سال میں قدم رکھنے کے لیے زندہ رہیں گے۔ اس تعیین کی بنیاد ماضی کا طویل تجربہ ہے۔ انسانوں کی بہت بڑی تعداد کے متعلقہ ریکارڈ کے مطالعے سے عمر کے اکیسویں سال میں وفات کے امکان کی، اور اس امکان میں غلطی کے امکان کی پیمائش کی جا چکی ہے۔ مزید برآں اس پیمائش پر بعد کے تجربات کی روشنی میں نظر ثانی کی جاتی رہی ہے۔ اس تعیین کی عملی اہمیت یہ ہے کہ عمر کے اکیسویں سال میں وفات کے مالی عواقب سے عہدہ برآ ہونا ان معلومات کی روشنی میں زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا پیمائش ایک طرح کی آب و ہوا میں رہنے والے، تقریباً یکساں صحت اور غذائی عادات وغیرہ کے حامل افراد سے متعلق ہوگی تو زیادہ قابلِ اعتماد ہوگی، اور اس کا اطلاق بھی ایسے ہی افراد پر درست ہوگا۔

مذکورہ بالا پیمائش یہ ممکن بنا دیتی ہے کہ افراد گروہوں کی شکل میں چھوٹی چھوٹی رقمیں ادا کرکے مذکورہ بالا قسم کے قابلِ پیمائش خطرات، کے زبردست مالی عواقب سے عہدہ برآ ہونے کا اہتمام کر سکیں۔ مثال کے طور پر اگر بحری سفر میں غرقابی کا اوسط ہر دس ہزار جہازوں میں سے ایک جہاز فی سال ہے اور ایک بحری جہاز کی اوسط قیمت دس لاکھ ہے تو اگر

ہر جہازراں سو روپے سالانہ ادا کرے تو سارے جہازراں مل کر سال بھر میں ایک جہاز کی قیمت جمع کر سکتے ہیں جو باہمی راضی نامے کے مطابق اُس جہازراں کو دی جا سکتی ہے جس کا جہاز ڈوب جائے۔ یہ اہتمام پورے گروہ کے ہر فرد کو اس خطرے سے بے نیاز کر سکتا ہے کہ بحری سفر میں جہاز کے ڈوب جانے سے دس لاکھ کا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ یہ بے نیازی کسی فرد کے لیے کسی انفرادی کوشش کے ذریعہ ممکن نہیں ہو سکتی۔ یہ بے نیازی دوررس اقتصادی اور سماجی اثرات کی حامل ہے جس پر آئندہ روشنی ڈالی جائے گی۔ انفرادی قابلِ پیمائش خطر کے اجتماعی مقابلے کے اس اہتمام کے نتائج پر ان انتظامی تفصیلات کا کوئی اثر نہیں پڑتا جو اس اہتمام کے سلسلے میں اختیار کی جائیں۔ یہ اہتمام مذکورہ بالا دس ہزار جہازراں کسی اجتماع میں یا باہمی راضی نامے کے ذریعے تعاونی طور پر کرنا طے کریں، یا کوئی ایک فرد اُن کو یہ پیش کش کرے کہ اگر ان میں سے ہر ایک اُسے سو روپے ادا کرے تو وہ ڈوبنے والے جہاز کی قیمت ادا کر دیا کرے گا، یا حکومت بحری سفر پر جانے والے جہازرانوں کو انشورنس فیس کے طور پر سو روپے ادا کرنے کا پابند بنا کر ڈوبنے والے جہاز کی قیمت ادا کرنا اپنے ذمے لے لے تینوں صورتوں میں یہ نتیجہ یکساں طور پر حاصل ہو گا کہ ہر جہازراں جہاز ڈوبنے کے اندیشے اور اس سے وابستہ نقصان سے بے نیاز ہو کر جہازرانی کر سکے گا۔ یہی طریقہ انشورنس کہلاتا ہے۔ مکان یا دُکان میں آگ لگنے، سامان چوری چلا جانے، موٹر کے حادثے کا شکار ہونے وغیرہ دوسرے قابلِ پیمائش خطرات کے سلسلے میں بھی ایسی ہی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہ طریقہ انسانی زندگی کے ان تمام دائروں میں اختیار کیا جا سکتا ہے جن میں قانونِ اعدادِ کثیر قابلِ اعتماد حد تک عمل کرتا نظر آئے۔

واضح رہے کہ انشورنس کا تعلق دراصل اُس خطرِ محض کے مالی عواقب سے ہے جو قابلِ پیمائش ہو۔ مذکورہ بالا طریقہ ان خطرات کے انسداد یا ان سے بچاؤ کا طریقہ نہیں ہے۔ جوانی کی موت، آتش زدگی، غرقابی، ہوائی جہاز، موٹر کار یا ریل کے حادثے، مشینوں کی زد میں آکر مجروح ہو جانا، بیوگی، بے روزگاری .... ایسے حادثات ہیں جن کے وقوع کو روکنے کے لیے متعدد تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں اور کی جاتی ہیں۔ پچھلے زمانے میں بہت سی

انسدادی تدابیر کو ایسے اداروں نے جن کا اصل کام انشورنس کرنا تھا اختیار بھی کیا ہے مگر یہ انشورنس کا اصل مقصد نہیں ہے۔ انشورنس کا مقصد یہ ہے کہ خطرہ واقع ہونے کی صورت میں ایک فرد کو جو مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے، اس کی تلافی کس طرح کی جائے۔ اس کا طریقہ مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں، یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ایک بہت بڑے گروہ کے ہر فرد سے جسے یہ خطرہ لاحق ہو، ایک رقم وصول کی جائے اور پھر جس فرد کو ان حادثوں میں سے جن کا خطرہ تھا کوئی حادثہ پیش آئے اس کے مالی نقصان کی تلافی کی جائے۔

ہر خطرہ اپنے مالی عواقب، یعنی متعلقہ مالی نقصان کے ماسوا دوسرے نفسیاتی، جسمانی اخلاقی، سماجی، سیاسی..... عواقب بھی رکھتا ہے انشورنس کا طریقہ ان دوسرے عواقب سے متعلق نہیں۔ وہ صرف مالی نقصان کی تلافی کا طریقہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مالی نقصان کی تلافی سے کسی حد تک دوسرے نقصانات کا بار بھی ہلکا ہو جائے۔

دوسری وضاحت طلب بات یہ ہے کہ بعض خطرات کے مالی عواقب کا صرف بالواسطہ تخمینہ لگایا جا سکتا ہے جلنے والے مکان یا ڈوبنے والے جہاز کی مالیت آسانی کے ساتھ متعین کی جا سکتی ہے مگر اس امر کی تعیین دشوار ہے کہ کسی خاندان میں ایک کمانے والا فرد جب جوانی کی موت کا شکار ہو جاتا ہے تو اس سانحے سے اس خاندان کو کتنا مالی نقصان ہوتا ہے۔ اس نقصان کا اندازہ اس طور پر لگایا جا سکتا ہے کہ اس فرد کی سالانہ آمدنی کتنی تھی اور وہ عمر طبیعی تک زندہ رہتا تو ابھی کتنی مدت تک یہ آمدنی حاصل کرتا رہتا۔ کسی مزدور کی انگلی مشین کی زد میں آکر کٹ جانے سے اس مزدور کو مالی طور پر کتنا نقصان ہوگا، اس کا اندازہ اس طور سے لگایا جا سکتا ہے کہ کٹی ہوئی انگلی کے باوجود وہ جو کام کر سکتا ہے اس سے ہونے والی آمدنی اور اُس آمدنی میں کیا فرق ہے جو وہ انگلی کے سلامت ہونے کی صورت میں حاصل کرتا اور اس عضو کے ضائع ہونے سے اسے اپنے روزگار کے علاوہ روزمرّہ زندگی میں کیا نقصانات اٹھانے پڑ سکتے ہیں۔ ایسے تمام مسائل میں نقصان کی پیمائش پر جو نقص یا عدم تعین رہ جاتا ہے اس میں انشورنس کے طریقے کا قصور نہیں ہے، بلکہ یہ انسانی زندگی کا ایک ناگزیر لازمہ ہے۔ انسان انشورنس کا طریقہ اختیار کرتے وقت صرف

اس بات کا اہتمام کرسکتا ہے کہ نقصان کی پیمائش کا یہ نقص حتی الامکان دور کیا جائے اور پیمائش کو شخصی اندازوں کے بجائے معروضی بنیادوں پر قائم کیا جائے۔

اس بحث سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ قابلِ پیمائش خطرِ محض کے مالی نقصانات کی تلافی کے لیے انشورنس کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ سوال بھی محتاجِ بحث ہے کہ ایسے خطرات کا اثر اس طرح زائل کرنا یا ہلکا کرنا مطلوب بھی ہے یا نہیں۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ انشورنس کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنے سے پہلے اس پر غور کیا جائے کہ دورِ جدید میں اس طریقے سے ازالۂ خطر اور تخفیفِ خطر کی اقتصادی اہمیت کیا ہے۔

## ازالہ و تخفیفِ خطر کی اقتصادی اہمیت

خطرِ محض کا وجود اُس کام کی، جس کے ساتھ ایسا خطر وابستہ ہو، انجام دہی میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اُس کام کے جس سے ایک ایسا خطر وابستہ ہو جس کے واقع ہونے سے نقصان کا اندیشہ ہو، اور نفع کی امید نہ ہو، کرنے کی ہمت انسان کو مشکل سے ہوتی ہے۔ خود اُس کام کے ساتھ نفع کی اُمید وابستہ ہو یا یقینی فوائد کا حصول متوقع ہو پھر بھی اس کے ساتھ ہر چند خطر لاحق ہونا افراد کو اس کام کی انجام دہی سے روک سکتا ہے۔ اس صورتِ حال کا تقاضا ہے کہ خسارے کی صورت میں وہ فرد اس خسارے سے نبٹنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ ایسی صلاحیت ہر ایک میں نہیں ہوتی۔ خطرہ جتنا بڑا ہوگا اور اس کے واقع ہونے کی صورت میں نقصان کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی، اس خطرے کو مول لینا اتنا ہی دشوار ہوگا اور اس کی ہمت کرنے والے کم ہوں گے۔ اب اگر کسی تدبیر سے خطرات سے وابستہ مالی نقصان کی مقدار کم کی جاسکے اور ان کا بار ہلکا کیا جاسکے تو ایسے کاموں کی انجام دہی سہل ہو جائے گی اور اُنھیں کرنے والے زیادہ میسّر آئیں گے۔ مثال کے طور پر جہاز رانی ایک مفید سماجی عمل ہے جس سے بہت سے انفرادی اور اجتماعی مفادات وابستہ ہیں، مثلاً افراد کا بحری سفر کرکے ایک ملک سے دوسرے ملک جانا، تجارتِ خارجہ وغیرہ۔ اگر ہر جہاز راں کو ہر بحری سفر میں اس اندیشہ کا سامنا ہو کہ جہاز ڈوب سکتا ہے تو زبردست مالی نقصان کا یہ اندیشہ جہاز رانی کے عمل میں رُکاوٹ بنے گا

اور اس کا اثر بین الممالک سفر اور تجارت پر بُرا پڑے گا۔ ایسی صورت میں اگر ہر جہاز راں ایک چھوٹی سی رقم ادا کر کے اس بات کا اطمینان حاصل کر سکے کہ جہاز کے ڈوب جانے کی صورت میں اسے جہاز کی قیمت مل جائے گی تو یہ رکاوٹ دور ہو جائے گی، آمدورفت سہولت کے ساتھ جاری رہے گی، تجارت کو فروغ حاصل ہوگا اور ملک ترقی کرے گا۔ یہی بات آگ لگنے کا خطرہ مول لے کر دکان کھولنے، حادثے کا خطرہ مول لے کر موٹر چلانے، صنعتی حادثات کے خطرے کے باوجود صنعتی کارخانوں میں کام کرنے اور بیشتر دوسرے اقتصادی اعمال پر صادق آتی ہے۔ اگر اس مالی نقصان کا جو کسی حادثے کی صورت میں اٹھانا پڑے۔ سارا بار اسی فرد پر پڑنا ضروری ہو جس کی دُکان، موٹر، ہوائی جہاز، بحری جہاز یا جسم و جان اس حادثے کا شکار ہوئے ہوں تو لوگ ایسے خطرات مول لے کر متعلقہ اعمال انجام دینے کی ہمت کم ہی کریں گے۔ سماج کو یہ اقتصادی خدمات کم میسر آئیں گی اور اس کے مفادات مجروح ہوں گے اس کے برعکس اگر انشورنس کا طریقہ اختیار کر کے ہر فرد کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ تھوڑی سی لاگت برداشت کر کے ان خطرات کے مالی عواقب کی تلافی کا اہتمام کر سکے تو ان کاموں کی انجام دہی کی ہمت بہت سے لوگ کریں گے اور سماج کے مفادات محفوظ رہیں گے۔

صنعتی دور میں اقتصادی نظام کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی نے پیداواری عمل اور تجارتی کاروبار میں تخفیف و ازالۂ خطر کی اہمیت بڑھا دی ہے۔ فنی ترقی اور مشینوں کے بیش از بیش استعمال کے ساتھ پیمانۂ پیداوار دن بہ دن بڑا ہوتا جاتا ہے۔ بڑے پیمانے پر صنعتی، زرعی اور تجارتی کاروبار کی تنظیم کثیر سرمایہ کی فراہمی چاہتی ہے جو کسی ایک فرد یا افراد کے لیے شاذ و نادر ہی ممکن ہوتی ہے۔ بڑے پیمانہ پر کاروبار کے لیے ہزاروں لاکھوں افراد سے سرمایہ حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر کاروبار کو پیش آنے والے خطرِ محض، کارخانوں میں آگ لگنے، سامان کے چوری چلے جانے، سیلاب یا ژالہ باری سے فصلوں کے تباہ ہو جانے، جہازوں کے ڈوب جانے، طیاروں کے فضائی حادثے میں برباد ہو جانے وغیرہ کے اندیشوں سے ہونے والے نقصانات کی تلافی کا انشورنس کے ذریعے اہتمام ممکن نہ ہو تو سرمایہ فراہم کرانے والوں کو سرمایہ لگانے کا فیصلہ کرتے وقت ان اندیشوں کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کاروباری خطر اور عدم تیقن کے

پہلو بہ پہلو خطرِ محض کا اضافہ ہونے سے سرمایہ کاروں کی ہمت شکنی ہوگی اور سرمایہ کی رسد کم ہوگی۔ اگر انشورنس کے ذریعہ خطرِ محض سے وابستہ نقصان کی تلافی تھوڑی لاگت کے عوض ہو سکتی ہو تو صرف کاروباری خطر اور عدم تیقن باقی رہ جائے گا۔ یہ وہ خطرات ہیں جو سرمایہ کاری کے عمل میں ناگزیر ہیں۔ نفع انہی خطرات کو انگیز کرنے پر حاصل ہوتا ہے۔ غرض خطرِ محض کا تھوڑی لاگت کے عوض ازالہ ہو جانے سے بڑے پیمانے پر کاروبار کی تنظیم کی جا سکے گی۔

جدید طریقۂ پیداوار کے تحت مصنوعات کی تیاری میں خاصا وقت لگتا ہے۔ پیدا کنندہ اپنی لاگت اور مصنوعات کی قیمت فروخت کے اندازوں کی بنیاد پر ان مصنوعات کی تیاری کا اہتمام کرتا ہے۔ قیمت کے اندازے کو عدم تیقن سے آزاد کرنا ممکن نہیں۔ اگر خطرِ محض کو متعین لاگت کے عوض زائل کر دینے کا اہتمام نہ ہو تو کل لاگت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ناممکن ہو جائے گا اور قیمت فروخت کے کسی اندازے کے باوجود مصنوعات کی واقعی لاگت میں نہ جانے کتنا اضافہ ہو۔ ایسی صورت میں قیمت فروخت کا کوئی بھی اندازہ بہ اطمینان نہیں دلا سکتا کہ قیمت فروخت اس کی لاگت سے زیادہ ہوگی اور اس طرح نفع حاصل ہوگا اس کے برعکس حادثات سے انشورنس کی صورت میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ انشورنس کے سبب اس کی لاگت میں کتنا اضا ہوا اور وہ متوقع قیمت فروخت کا مقابلہ مصنوعات کی مجموعی لاگت سے کر کے مذکورہ بالا اطمینان کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں ان تمام پیداواری کاموں میں زبردست رکاوٹ پیش آجائے گی جو خاصا وقت لیتے ہیں اور جن کے مطابق اشیاء کی تیاری کے فیصلے اور ان اشیاء کی فروخت کے درمیان زمانی فصل طویل ہوتا ہے۔ دور جدید کے اکثر پیداواری اعمال اسی نوعیت کے ہیں۔

فرض کیجیے کہ انشورنس کا طریقہ نہ اختیار کیا جائے اور کاروباری افراد مجبور ہوں کہ وہ خطرِ محض سے وابستہ مالی نقصانات کو ملحوظ رکھ کر لاگت کا حساب لگائیں تو مصنوعات کی لاگت میں اس سے زیادہ اضافہ ہوگا جتنا انشورنس کرانے کی صورت میں ہوتا ہے اور عام صارفین کو ان مصنوعات کے دام اس سے زیادہ ادا کرنے ہوں گے جتنے پہلی صورت میں ادا کرنے ہوتے ہوں۔ ایک کاروباری فرد خطرِ محض کے مقابلے کے لیے انفرادی طور پر صرف

ایک ہی طریقہ اختیار کرسکتا ہے۔ وہ ایک ایسا ریزرو فنڈ قائم کرسکتا ہے جس میں ہر ماہ یا ہر سال یا ہر عرصۂ پیداوار میں وہ اتنی رقم جمع کرتا رہے کہ عرصۂ طویل میں جب کبھی وہ خطرہ واقعۃً پیش آجائے جس کا اندیشہ تھا تو اس ریزرو فنڈ سے اس کے مالی نقصان کی تلافی کی جاسکے۔ ایسی صورت میں ہر عرصۂ پیداوار میں لاگت میں اضافے کی مقدار اس رقم کے مساوی ہوگی جو ریزرو فنڈ میں جمع کی جائے۔ یہ رقم اس پریمیم سے بہت زیادہ ہوگی جو انشورنس کی صورت میں ادا کرنی ہوتی۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک سال میں ایک ہزار کارخانوں میں سے ایک کارخانہ کسی ایسے حادثے کا شکار ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ایک لاکھ کی مصنوعات یا مشینری ضائع ہوجاتی ہے۔ ہر کارخانہ دار سو روپے سالانہ پریمیم ادا کرکے اس بات کی ضمانت حاصل کرسکتا ہے کہ اگر یہ نقصان اس کے کارخانے میں واقع ہوا تو اس کو اس کی تلافی میں ایک لاکھ کی وہ رقم مل جائے گی جو نقصان کے مساوی ہے۔ اب اگر انشورنس کا طریقہ نہ اختیار کیا جائے تو ہر کارخانہ دار کو یہ فکر لاحق ہوگی ... کہ ایک لاکھ کے نقصان کے اندیشہ کے پیش نظر ایک لاکھ کا ریزرو فنڈ کس طرح جمع کرے۔ اگر وہ ہزار روپے سالانہ جمع کرے تو یہ فنڈ سو سال میں جمع ہوسکے گا۔ جب کہ نقصان کسی سال واقع ہوسکتا ہے! ایک منفرد کاروباری سو سال کے لیے منصوبے نہیں بناتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ دس پندرہ سال کا منصوبہ بناسکتا ہے مگر دس سال میں ایک لاکھ کا ریزرو فنڈ قائم کرنا ہو تو اُسے ہر سال دس ہزار روپے اور پندرہ سال میں کرنا ہو تو ہر سال سات ہزار سے کچھ کم رقم ریزرو میں ڈالنی پڑے گی[1]۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے کاروبار پر اثر پڑے گا اور اس کا

---

[1] اس مثال سے ضمنی طور پر یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر ایک مالک کارخانوں یا دکانوں کی اتنی بڑی تعداد کا مالک ہو کہ ان املاک سے وابستہ خطرات کے مالی عواقب کی تلافی کے سلسلے میں قانون اعداد کثیر سے استفادہ ممکن ہو تو بطور خود انشورنس کی ضرورت پوری کرسکتا ہے۔ اس مالک کو کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ اپنی لاگت کے حساب میں اس امر کی رعایت ملحوظ رکھنی ہوگی کہ لاگت کی ایک مستقل مد ان مالی نقصانات سے متعلق رہے جو خطر محض سے وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکی نظام میں معیشت کے ایک بڑے دائرے میں انشورنس کا رسمی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی، جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔

کاروباری ادارے کا پیمانہ کار اس سے چھوٹا ہوگا جتنا اس بار کے بغیر ہوتا۔ ساتھ ہی اس بڑی رقم کو لاگت میں شمار کرنے کے سبب مصنوعات کی لاگت بھی بڑھ جائے گی، کیونکہ واضح رہے کہ یہی صورت حال تمام کارخانوں کو درپیش ہوگی۔ لاگت میں اضافہ کے اس سبب کے پہلو بہ پہلو اگر اس کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ سرمایے کی رسد میں کمی کی وجہ سے پیمانہ کبیر پر کاروبار کی تنظیم نہ ہو سکے گی۔ (جس کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے)، تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انشورنس کا طریقہ نہ اختیار کرنے کی صورت میں اشیا کی لاگت اُس سے بہت زیادہ ہوگی جو اس طریقہ کو اختیار کرنے کی صورت میں ہوتی۔

انشورنس کے دوسرے فوائد سے قطع نظر مذکورہ بالا چار اہم اُمور، یعنی کاروبار جدوجہد اور اقتصادی عمل کی اطمینان بخش رسد، بڑے پیمانے پر سرمایہ کی فراہمی، طویل مدت پیداوار رکھنے والی مصنوعات کی تیاری اور مصنوعات کی لاگت کم رکھنے کی مجموعی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پیداوارِ دولت کے موجودہ نظام اور تمدنی ترقی کی موجودہ سطح کا انشورنس کا طریقہ اختیار کیے بغیر تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ طریقہ نہ اختیار کیا جائے تو پیداوار دولت میں کمی اور تمدّن کا زوال یقینی ہے۔ پیداوارِ دولت میں اضافہ اور تمدّن کی ترقی مطلوب ہو تو پھر انشورنس کا طریقہ نہ اختیار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا انشورنس کے طریقہ میں ایسی خرابیاں مضمر ہیں جن کی بنا پر اسلام کی ہدایت کے مطابق اسے ترک کرنا لازم آتا ہے؟ آئندہ صفحات میں ہم اسی امر کا جائزہ لیں گے۔

---

## دوسرا باب

# انشورنس، قمار اور دوسرے مفاسد

## انشورنس اور قمار

انشورنس کے بنیادی اصول کا جو تعارف گذشتہ صفحات میں کرایا گیا ہے اس کی روشنی میں اس طریقہ میں کوئی اخلاقی خرابی یا سماجی مضرت نہیں نظر آتی بلکہ یہ مشترک انسانی مسائل کو باہمی تعاون سے اجتماعی طور پر حل کرنے کا ایک طریقہ ہے جسے اختیار کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، اس طریقے کا کوئی بدل بھی نہیں میسّر ہے۔ مگر چونکہ بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انشورنس قمار کی ایک صورت ہے۔ اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے اس شبہ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ ہم انشورنس کی کسی مخصوص شکل کو جسے دور جدید میں انشورنس کمپنیوں نے عملاً اختیار کر رکھا ہو، سامنے رکھ کر گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارے پیش نظر وہ بنیادی اصول اور اس پر مبنی طریقۂ انشورنس کی سادہ شکل ہے جس کا تعارف اوپر کرایا گیا ہے۔ حقیقی اہمیت اسی کی ہے، کیونکہ اگر خود یہ طریقہ دراصل قمار سے پاک ہے تو اس کی ان مروجہ شکلوں میں جو قمار سے آلودہ ہو گئی ہوں، اصلاح و ترمیم ہو سکتی ہے اور نہ ہو سکے تو اسے ترک کیا جا سکتا ہے۔

قمار میں جو خرابی ہے وہ یہ ہے کہ جوا کھیلنے والا بازی لگا کر یا شرط بد کر اپنے لیے ایک ایسا خطرہ مول لیتا ہے جو پہلے سے موجود نہ تھا، یا اگر موجود تھا تو خود اس کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ لاٹری کے ٹکٹ خریدنا، گھوڑوں کی دوڑ یا فٹ بال کے مقابلے

میں یا تاش، شطرنج وغیرہ کے کھیلوں میں ہار جیت پر بازی لگانا اس کی عام مثالیں ہیں۔ قمار کی تمام ممکن شکلوں اور اس کی تمام مروجہ قسموں میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ شخص جو بازی لگا کر ایک رقم ہار جانے کا خطرہ مول لیتا ہے اگر چاہتا تو بازی نہ لگاتا اور اگر وہ بازی نہ لگاتا یا شرط نہ بدتا تو اُس کو اس رقم کے نقصان کا خطرہ نہ پیش آتا۔

انشورنس کا معاملہ اس سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ جس خطرے کے پیشِ نظر انشورنس کرانے والا انشورنس کراتا ہے اس کا وجود، اور اس فرد سے اس کا تعلق، اس کے انشورنس کرانے یا نہ کرانے پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر حال میں پایا جاتا ہے۔ یہ خطرہ زندگی کی کسی نارمل سرگرمی، اقتصادی عمل، پیشہ یا حرفہ سے لازمی طور پر وابستہ ہوتا ہے جس کا مکمل ازالہ انشورنس کے سوا کوئی اور تدابیر اختیار کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ ان تمام خطرات سے مالی نقصان بھی وابستہ ہوتا ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال موت ہے جس کا خطرہ زندگی کے ساتھ لگا ہوا ہے اور جس سے ہمیشہ نہیں مگر اکثر، بالخصوص اگر متوفی جوان ہو، اس کے متعلقین کو مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ آدمی اس نقصان کی تلافی کے لیے انشورنس کرائے یا نہ کرائے اس نقصان کا اندیشہ بہر حال موجود رہتا ہے کیونکہ اس کا تعلق موت سے ہے جو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود کسی وقت بھی واقع ہو سکتی ہے اور کبھی نہ کبھی ضرور واقع ہو کر رہنی ہے۔ اسی طرح موٹر کار، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور دوسری سواریوں کے مالکوں کو کسی حادثے کے نتیجے میں ان سواریوں کی بربادی یا ان کی ٹوٹ پھوٹ کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے یہ اندیشہ ان کے استعمال کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہے اور حادثے کی صورت میں مالی نقصان یقینی ہے اسی طرح ہر مسافر کو جو ان سواریوں کے ذریعہ سفر کرتا ہے، یہ خطرہ مول لینا پڑتا ہے کہ سواری کا حادثہ پیش آنے کی صورت میں اس کی جان چلی جائے یا وہ مجروح ہو جائے، جس سے اکثر حالات میں مالی نقصان وابستہ ہوتا ہے۔ مکان، دوکان، سامانِ تجارت، کھیت، کارخانہ اور دوسری املاک کے ساتھ بھی آتش زدگی وغیرہ حوادث کے نتیجے کے طور پر بربادی کا اندیشہ وابستہ ہے۔ بہ خلاف قمار باز کے مسافر، سواری کا مالک یا مکان وغیرہ کا مالک متعلقہ حادثے کا اور اس سے وابستہ مالی نقصان کا خطرہ جان بوجھ کر مول نہیں لیتے۔ سفر، سواری رکھنا اور اسے

استعمال کرنا، مکان، کارخانہ، کھیت، سامانِ تجارت وغیرہ اثاثوں کی ملکیت اور ان کا استعمال عام کاروباری زندگی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں جن سے دست برداری ممکن نہیں۔ صنعتی مزدور مشینوں کے درمیان نقل وحرکت کے لیے، اور ایسے کارخانوں میں کام کرنے کے لیے مجبور ہے جن میں آتش گیر مادّے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ سرگرمی روزی کمانے کے لیے ضروری ہے مگر اس کے ساتھ یہ خطرہ بھی لگا ہوا ہے کہ شاید صنعتی حادثے کے نتیجے میں اعضا مجروح ہو جائیں اور معذوری کے سبب مدت العمر مالی نقصان اٹھانے پڑیں۔ ان تمام صورتوں میں خطرے کا اور اس سے وابستہ مالی صدمے کا احتمال بہر حال موجود ہوتا ہے، خواہ انشورنس کرایا جائے یا نہ کرایا جائے۔

جوئے بازی اور انشورنس کے درمیان دوسرا بنیادی فرق نفع کی اُمید سے تعلق رکھتا ہے۔ جوئے بازی کا مالی محرّک اس مالی منفعت کا حصول ہے جو بازی جیت جانے کی صورت میں ہوگی جب کہ انشورنس کرانے کا مالی محرک اس نقصان کی تلافی ہے جو متعلقہ خطرہ پیش آجانے کی صورت میں ہوگا۔ جس حادثے کے اندیشے سے انشورنس کرایا گیا ہے اگر وہ واقعتہً پیش آجائے تو معاہدے کے مطابق انشورنس کرانے والے کو جو رقم ملے گی اس کی حیثیت کسی نفع کی نہیں ہے۔ یہ رقم صرف اس مالی نقصان کی تلافی کرتی ہے جو عملاً واقع ہو چکا۔ اس رقم کے ملنے سے حادثے کا شکار ہونے والے کی دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کمی کی تلافی ہوتی ہے جو حادثے کے نتیجے میں واقع ہو چکی۔ اس کے برعکس بازی جیتنے کی صورت میں جوئے باز کو جو رقم ملتی ہے وہ اس کی دولت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے لیے اس رقم کی حیثیت خالص نفع کی ہے۔ جوئے باز اور انشورنس کرنے والے کے محرّکات یکسر مختلف ہیں۔ اول الذکر کی نظر اس خالص نفع پر ہے، دوسرے کی نظر اس نقصان کی تلافی پر ہے جس کا اُسے اندیشہ ہے۔ لاٹری کا ٹکٹ خریدنے والا جو دس لاکھ روپے کا انعام پاتا ہے اس کا مقابلہ بحری جہاز کے اس مالک سے کیجیے جس کو جہاز ڈوب جانے کی صورت میں انشورنس کے معاہدے کے مطابق اس جہاز کی قیمت کے طور پر دس لاکھ روپے ملتے ہیں۔ جہاز کے مالک کی مالی حیثیت اب بھی وہی ہے۔ جو جہاز ڈوبنے اور انشورنس کی رقم ملنے سے پہلے تھی وہ

انشورنس سے ملنے والی رقم کے نتیجے میں پہلے سے زیادہ دولت مند نہیں ہوگیا ہے اس کے برعکس لاٹری میں انعام پانے والا اب پہلے سے زیادہ دولت مند ہے۔اس کی دولت میں دس لاکھ کا اضافہ ہوگیا ہے۔

اب معاملے کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیجیے۔جوئے باز بازی ہار جاتا ہے تو اُسے مالی نقصان پڑتا ہے۔لاٹری کے ٹکٹ کے دام ضائع ہو جاتے ہیں، یا شرط کے مطابق بازی جیتنے والا اس سے ایک رقم وصول کرتا ہے۔اس رقم کی ادائیگی ایک خالص نقصان ہے۔اس کے بالمقابل جوئے باز کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔اس کے مقابلے میں صرف اس امید کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ جُوے میں جیت بھی ہو سکتی تھی۔اور ایک رقم ہاتھ آسکتی تھی۔مگر یہ امید معروضی طور پر ہارنے اور خسارہ برداشت کرنے سے وابستہ نہیں ہے اس سے الگ وجود رکھتی ہے۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی جوئے باز عرصے تک بازی نہ ہارے، مسلسل جیتتا چلا جائے انشورنس کرانے والا معاہدے کے مطابق ایک پریمیم ادا کرتا ہے۔اس ادائیگی کے عوض اسے اس بات کی ضمانت حاصل ہوتی ہے کہ اگر متعلقہ حادثہ پیش آگیا تو اس کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصان کی تلافی کی جائے گی۔یہ تحفظ اسے معاہدہ کراتے ہی حاصل ہو جاتا ہے خواہ حادثہ واقع ہو نہ ہو۔پریمیم اسی تحفظ کی لاگت ہے۔یہ تحفظ دور رس اقتصادی اہمیت کا حامل ہے اور اس کی افادیت پر اس کا اثر نہیں پڑتا کہ حادثہ واقع ہوتا ہے، اسے نقصان ہوتا ہے اور اس نقصان کی تلافی کے لیے اسے رقم ملتی ہے یا حادثہ واقع نہیں ہوتا اس نکتے کی وضاحت آئندہ کی جائے گی۔اقتصادی سرگرمیوں کی انجام دہی اور معاشی کارکردگی کی خاطر اس تحفظ کی اہمیت پریمیم ادا کرنے کی ایک معقول بنیاد ہے۔پریمیم گھاٹا نہیں لاگت ہے۔اس کے برعکس جوئے میں ہاری ہوئی رقم سراسر گھاٹا ہے۔پریمیم ادا کرنا ایک مجبوری کے تحت ہے۔مجبوری یہ ہے کہ جن خطرات سے نقصان کا اندیشہ وابستہ ہے ان سے مفر نہیں۔اور اندیشۂ نقصان سے تحفظ کی واحد صورت یہ ہے کہ پریمیم ادا کیا جائے۔لاٹری کے ٹکٹ کے دام ادا کرنے یا بازی ہارنے کی صورت میں طے شدہ رقم ادا کرنے کے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے، جُوے باز اپنے اختیار سے یہ گھاٹا مول لیتا ہے۔

انشورنس کرانے والا اگر انشورنس نہ کرائے تو اس کو وہ حادثہ جس کا خطرہ تھا، واقع ہونے کی صورت میں زبردست مالی نقصان کا اندیشہ لگا رہے گا۔ یہ اندیشہ اس کے فیصلوں پر بہرحال اثر انداز ہوگا خواہ آیندہ وہ خطرہ واقع ہو یا نہ ہو کیونکہ فیصلہ کا وقت پہلے آتا ہے۔ بحری جہاز کا مالک اپنے جہاز کو بحری سفر پر بھیجے یا نہ بھیجے اس فیصلہ پر اس اندیشہ کا گہرا اثر پڑے گا کہ جہاز ڈوب سکتا ہے اور اس حادثے کے نتیجے میں دس لاکھ روپے کا نقصان ہو سکتا ہے یہ بات کہ اس سفر میں جہاز ڈوبیا یا نہیں ڈوبا، بعد میں معلوم ہوگی۔ یہی حال ان تمام اقتصادی اعمال اور عام سرگرمیوں کا ہے جن کے ساتھ خطر محض وابستہ ہو۔ ان تمام صورتوں میں مالی نقصان کی تلافی کی ضمانت حاصل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ پر گہرا اثر پڑنا لازمی ہے اور یہ اثر اس سے بے نیاز ہے کہ عملاً یہ نقصان واقع ہوتا ہے یا نہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں اس پر غور کیجئے کہ جوئے کی ہاری ہوئی بازی سے وابستہ مالی خسارہ اور حادثہ واقع نہ ہونے کی صورت میں ادا کیا جانے والا پریمیم ایک ہی نوعیت کے حامل ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر انشورنس کرانے والے کو عملاً وہ حادثہ نہ پیش آیا جس کا اندیشہ تھا، نہ کوئی مالی نقصان ہوا اور نہ اس کی تلافی میں کوئی رقم ملی تو اس نے جتنا پریمیم ادا کیا وہ اس کے لیے سراسر گھاٹا ہے۔ اگر وہ انشورنس نہ کراتا تو پریمیم نہ ادا کرنا پڑتا اور یہ گھاٹا نہ ہوتا۔ اوپر ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ معاہدہ انشورنس سے یہ ضمانت حاصل ہوتی ہے کہ اگر نقصان ہوا تو اس کی تلافی کی جائے گی اور خود یہ ضمانت اقتصادی اعمال اور ان تمام سرگرمیوں کے لیے جن سے خطر محض وابستہ ہے ایک قدر و قیمت رکھتی ہے۔ لاٹری کے ٹکٹ کی قیمت یا جوئے میں ہاری ہوئی رقم کے ساتھ اس طرح کی کوئی قابلِ قدر چیز وابستہ نہیں ہے۔ انعام پانے یا بازی جیتنے کی جو امید اس سے وابستہ ہے وہ کسی اقتصادی فیصلہ پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ دراصل اس کا کوئی تعلق کسی اقتصادی عمل یا سرگرمی سے ہے ہی نہیں اگر یہ کہا جائے کہ بازی جیتنے کے بعد ملنے والی رقم سے جوئے باز کوئی مفید کاروبار کرنے کا خواہشمند ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خواہش کے باوجود وہ صرف امید کی بنیاد پر متعلقہ کاروباری فیصلے بازی لگاتے وقت نہیں کر سکتا۔ انشورنس کا معاملہ بالکل مختلف

ہے۔یہاں فیصلہ کا موقع پہلے آتا ہے، انشورنس کا سوال بعد میں پیدا ہوتا ہے اور انشورنس کرانے یا نہ کرانے کا اس فیصلے پر گہرا اثر پڑتا ہے۔جوئے میں بازی لگانے یا نہ لگانے کا اُس کاروباری فیصلے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے جس کی مالی بنیاد ابھی فراہم بھی نہیں ہو سکی ہے، نہ اس کی فراہمی یقینی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بازی جیتنے کی امید صرف بازی لگانے کے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔اور اسی کا محرک بن سکتی ہے۔یہ امید کسی دوسرے فیصلے سے نہ کوئی تعلق رکھتی ہے نہ اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

انشورنس کو قمار قرار دینے والوں کی غلط فہمی کا سبب بعض ایسی باتیں ہیں جو بظاہر دونوں معاملوں میں مشترک نظر آتی ہیں۔جوے باز اور انشورنس کرانے والے دونوں کو بعض اوقات ایک بڑی رقم ملتی ہے جس کے مساوی کوئی معاوضہ ان کی طرف سے نہیں ادا کیا گیا ہے۔بعض انشورنس کرانے والے مسلسل پریمیم ادا کرتے ہیں مگر ان کو اس کے عوض کوئی بڑی رقم نہیں ملتی، جس طرح کہ بعض جوے باز بازی ہارتے ہی چلے جاتے ہیں، یا ایک شخص لاٹری کے متعدد ٹکٹ مسلسل خریدتا رہتا ہے مگر انعام نہیں پاتا۔اوپر کی بحث سے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیئے۔مزید اطمینان کے لیے ہم ان دونوں بظاہر یکساں امور کے سیاق میں انشورنس اور قمار کا جامع موازنہ بھی کریں گے۔پہلے اس بڑی رقم کو لیجئے جو انشورنس کرانے والے کو پریمیم کے طور پر تھوڑی رقم ادا کرنے پر بھی مل جاتی ہے۔قطع نظر اس کے کہ یہ رقم واقع شدہ نقصان کی تلافی کرتی ہے۔ اس طرح نقصانات کی تلافی کا طریقہ اختیار کرنے سے سماج میں اقتصادی اعمال کی انجام دہی کے لیے ایک محفوظ و مامون فضا برقرار رکھی جاتی ہے۔خطر محض، بعض ایسے حوادث کا اندیشہ جن سے نقصان وابستہ ہے، اقتصادی سرگرمیوں کے لیے از حد ہمت شکن ہوتا ہے۔اس کا اقتصادی کردار اس کاروباری خطر سے یکسر مختلف ہے جن کے ساتھ نقصان کا اندیشہ اور نفع کی اُمید دونوں ہی وابستہ ہیں۔سماج اپنے کارکنوں کو انشورنس کے ذریعے خطر محض کے مالی صدمات سے محفوظ کر کے ان خطرات کے سماج دشمن اور ہمت شکن اقتصادی اثرات سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔
خطر محض سے وابستہ مالی نقصانات سماج میں دولت اور آمدنی کی عادلانہ تقسیم کے

دشمن ہیں اور اس میں خلل انداز ہوتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق غیر اختیاری اور بخت واتفاق پر مبنی امور سے ہے جب کہ دولت اور آمدنی کی نارمل تقسیم محنت، صلاحیت واستعداد اور اختیاری اعمال پر مبنی ہوتی ہے۔انشورنس کے ذریعہ خطر محض سے وابستہ مالی نقصانات کی تلافی کا طریقہ اختیار کرکے سماج دولت اور آمدنی کی تقسیم میں اس خلل اندازی کا مقابلہ کرتا ہے اور تقریباً اسی تقسیم کو بحال کردیتا ہے جو ان کے بغیر پائی جاتی۔

انہی دونوں باتوں کے نتیجے میں یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اقتصادی اعمال اور سماجی خدمات جن میں بخت واتفاق کے دخل سے کارکنوں کو زبردست مالی صدمات سے دوچار ہونے کا احتمال ہے، تسلسل، استقلال اور اندیشہ وصدمہ سے بے نیاز ہو کر اطمینان کے ساتھ انجام پاسکیں۔

اس کے برعکس وہ بڑی رقم جو بازی جیتنے والے جوے باز کو ملتی ہے نہ صرف یہ کہ کسی واقع شدہ نقصان کی تلافی نہیں کرتی بلکہ کوئی بھی مفید سماجی یا اقتصادی عمل نہیں انجام دیتی۔ اس طرح بازی جیتنے پر رقم دینے کا طریقہ اختیار کرنے سے سماج میں محنت و منفعت اور خدمت واُجرت کا وہ عادلانہ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جو اقتصادی اعمال کی متوازن انجام دہی کے لیے ضروری ہے۔ اس طریقے کے عام ہونے کی صورت میں سماج کے کارکنوں کی توجہ دولت حاصل کرنے لیے پیدا آور خدمات انجام دینے کی بجائے بازی لگانے اور بخت واتفاق کا سہارا لینے کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اس طریقے کا رواج سماج کو اور اس کے نظام پیداوار دولت کو بہت سے لائق، باصلاحیت اور رال دار افراد کی خدمات سے محروم کردیتا ہے۔ انسانی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ محنت وصلاحیت کے سہارے کمائی ہوئی دولت کے برعکس جو دولت محض بخت واتفاق کے طفیل ملی ہو وہ مفید پیدا آور کاموں میں لگنے کے بجائے سٹہ بازی، عیش کوشی اور اسراف وتبذیر کی نذر ہوتی ہے۔

اب اس بات پر غور کیجئے کہ ان رقموں کا مصرف کیا ہوتا ہے جو انشورنس کرانے والے پریمیم کے طور پر ادا کرتے ہیں مگر اس کے عوض انھیں کچھ نہیں ملتا۔ پھر اس کا مقابلہ

ان رقموں کے مصرف سے کیجیے جو جوے میں ہاری جاتی ہیں۔ مثلاً وہ رقمیں جو لاٹری کے ٹکٹ کی قیمت کے طور پر ایسے افراد ادا کرتے ہیں جنھیں کوئی انعام نہیں ملتا۔ انفرادی سطح پر موازنے سے یہ سطحی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دونوں صورتوں میں رقم ادا کرنے والوں کو سراسر گھاٹا ہوتا ہے (کیونکہ ادائیگی کے بالمقابل انہیں خود کوئی رقم نہیں ملتی) مگر ان ادائیگیوں کے سماجی مصرف پر غور کرنے سے ایک دوسرا ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ لاٹری کا ٹکٹ خریدنے والے لاکھوں افراد کی ادا کردہ رقوم، یا جُوے کی دوسری شکلوں میں ہارنے والوں کی ادا کردہ رقمیں، ان چند افراد کو منتقل ہو جاتی ہیں جن کے نام قرعہ نکل آتا ہے یا جو بازی جیت جاتے ہیں۔ ان افراد نے سماج کی کوئی خدمت نہیں انجام دی ہے جس کے صلے میں وہ اس خطیر معاوضے کے مستحق سمجھے جائیں۔ نہ اس رقم کے ملنے کے نتیجے میں ان کے اقتصادی اعمال پر کوئی ایسا اثر پڑنے کی توقع ہے جو اس عطیے کی وجہ جواز بن سکے۔ یہ اصلاً دولت کا ایک ایسا انتقال یا سماجی دولت کی ایسی تقسیم نو ہے جس کی بنیاد محنت، صلاحیت، خدمت یا استحقاق بربنائے حاجت نہیں ہے بلکہ محض بخت واتفاق ہے۔ چونکہ اس طرح کی تقسیم نو سے پہلے سماج میں دولت کی نارمل تقسیم بیشتر مذکورۂ بالا معقول بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ دولت کا اس طرح انتقال اور اس کی یہ نئی تقسیم جو جُوے میں ہار جیت کے نتیجے میں عمل میں آتی ہے۔ عدل وانصاف کے منافی ایک اندھی تقسیم ہے۔ انشورنس کرانے والے جن افراد کو پریمیم ادا کرنے کے عوض کوئی رقم اس لیے نہیں ملی کہ ان کے ساتھ متعلق حادثہ عملاً نہیں پیش آیا ان کی ادا کی ہوئی رقمیں ان انشورنس کرانے والوں کو منتقل ہو گئیں جن کے ساتھ حادثہ پیش آیا اور جنھیں مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ سماج کو نہ ان حادثات سے مفر تھا نہ ان کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصانات سے۔ پورے سماج کو مجموعی طور پر وہ مالی نقصانات بہر حال برداشت کرنے تھے جو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود آتش زدگی، غرقابی، صنعتی حادثات، سواریوں کو پیش آنے والے حادثات اور عمر طبیعی سے پہلے موت کے نتیجے میں واقع ہوتے۔ سوال صرف یہ تھا کہ ان نقصانات کا بار تمام تر صرف انہی افراد پر ڈالا جائے جو عملاً ان حادثات کا

شکار ہوں یا ان کو برداشت کرنے میں وہ تمام لوگ شریک ہوں جن کے ساتھ ایسے حادثات پیش آسکتے تھے اور پیش آسکتے ہیں۔ دوسری راہ اختیار کرنے کے حق میں متعدد اخلاقی اور اقتصادی فوائد کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ وسیع پیمانے پر پریمیم جمع کر کے حادثات کا شکار ہونے والے کے نقصان کی تلافی کر دینے کے جن فوائد پر اوپر روشنی ڈالی جا چکی ہے ان کے ماسوا، یہاں ہمارا مرکز توجہ اس کا وہ پہلو ہے جو سماجی عدل اور سماج میں دولت کی تقسیم سے متعلق ہے۔ حادثات کا شکار نہ ہونے والوں سے حادثات کے شکار ہونے والوں کی طرف جو دولت منتقل ہوتی ہے اس کے نتیجے میں دولت کی کوئی نئی تقسیم نہیں عمل میں آتی بلکہ تقریباً وہ تقسیم بحال کی جاتی ہے جو حادثات رونما ہونے سے پہلے پائی جاتی تھی۔ جن افراد کی دولت کا ایک حصّہ ان کی کسی نالائقی، کوتاہی، خطا یا جُرم کے بغیر اتفاقاً ضائع ہو گیا تھا ان کی یہ کمی پوری کر دی جاتی ہے۔ انشورنس کے نتیجے میں کسی بھی فرد کو بغیر استحقاقِ مزید، دولت نہیں حاصل ہوتی بلکہ جو دولت اسے کسی استحقاق کی بنا پر ملی تھی مگر حادثہ کے نتیجہ میں ضائع ہو گئی تھی وہی واپس مل جاتی ہے۔

قمار اور انشورنس کی نوعیت، ان کے محرکات، ان کے وہ اثرات جو اقتصادی سرگرمیوں اور سماج میں دولت کی تقسیم پر پڑتے ہیں نیز دونوں کے نفسیاتی پس منظر اور اثرات کا جامع موازنہ اس شبہ کے ازالے کے لیے کافی ہونا چاہیے کہ دونوں یکساں ہیں یا انشورنس قمار کو مستلزم ہے، یا ان کے بعض پہلو ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں اعمال کے درمیان نہ کوئی اشتراک ہے نہ مماثلت اور اپنے سماجی اور اقتصادی کردار کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔

اب ہم اختصار کے ساتھ یہ واضح کر دیں گے کہ شریعت نے جس قمار کو حرام قرار دیا ہے اس کی نوعیت وہی ہے جو اوپر واضح کی گئی اور انشورنس اس سے پاک ہے۔

## قمار کی حُرمت

جُوے کی حُرمت قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے (سورۂ مائدہ۔ آیت ۹۰۔۹۱)

قرآن حکیم میں جوے کے لیے 'مَیسِر' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مورخین اور مفسرین نے عرب جاہلیت میں مَیسِر کی جو کیفیت بیان کی ہے اس پر قمار کی وہ تعریف پوری طرح منطبق ہوتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی ایسا خطرہ (RISK) مول لینا جس سے نقصان کا اندیشہ اور نفع کی امید دونوں وابستہ ہوں اور جو زندگی کی کسی نارمل سرگرمی سے لازمی طور پر وابستہ نہ ہو۔ مفسرین نے لفظ مَیسِر کے بارے میں یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ یہ یُسِر (بمعنی سہولت، آسانی) سے نکلا ہے۔ یعنی جُوا کھیلنے والا بغیر محنت کے آسانی کے ساتھ دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے جُوے کو مَیسِر کا نام دیا گیا ہے[1]۔ مَیسِر کا جوہر قمار بتایا جاتا ہے جس کے معنی کی تحقیق میں اہل لغت دھوکہ اور چالبازی کے عنصر پر زور دیتے ہیں[2]۔ عرب جاہلیت میں جوے کی جو شکلیں رائج تھیں وہ ہماری موجودہ اصطلاح کے مطابق بخت و اتفاق پر مبنی ہار جیت کے کھیلوں (GAMES OF CHANGE) کی تعریف میں آتا ہے۔

قمار کی ان صریح شکلوں کو ممنوع قرار دینے کے ساتھ اسلام نے ان کاروباری معاملات کو بھی ممنوع قرار دیا ہے جن میں قمار کی نوعیت پائی جاتی ہے۔ عرب جاہلیت میں ایسے متعدد معاملات کا رواج تھا جن کی ممانعت کا ذکر حدیثوں میں ملتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ایسے معاملات کی فہرست میں مزابنہ، محاقلہ، کھجور کی متعین مقدار کے عوض کھجور کے ڈھیر کو ناپ تول کے بغیر فروخت کرنے، ملامسہ، منابذہ، بیع الحصاۃ، بیعانہ دینے کے رواج اور خشک کھجوروں کو تر و تازہ کھجوروں کے عوض خریدنے کو شامل کیا ہے[3]۔ ان معاملات کی تفصیلی کیفیت سمجھنے کے لیے حدیث کی کتابوں اور ان کی شرحوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ نیز فقہاء کرام نے بھی ان پر بحث کی ہے ان سب میں

---

[1] فخر الدین رازی۔ تفسیر کبیر، جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ (تفسیر سورۂ مائدہ۔ آیت ۹۰)

[2] ابن منظور: لسان العرب مادہ ق م ر اور ی س ر

[3] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲، صفحہ ۱۰۸ قاہرہ ۱۳۵۲ھ

نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر جواد علی: تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۸ صفحات ۱۷۶، ۱۸۱ مطبع المجمع العلمی العراقی۔ ۱۹۵۰ء

یہ بات مشترک ہے کہ قیمت اور خریدی جانے والی چیز کی وصف اور مقدار کے لحاظ سے تعیین کے ساتھ معاملہ کرنے کے بجائے ان کو غیر معین رکھ کر فریقین ایسا خطر مول لیتے ہیں جس کا مول لینا ان کے لیے چنداں ضروری نہ تھا۔ اس خطر کو مول لینے کے نتیجے میں نفع کی امید بھی ہوتی ہے اور نقصان کا اندیشہ بھی۔ ممکن ہے کہ خریدار کو بازار کے نرخ سے کم دام دے کر چیز مل جائے یا ممکن ہے جو چیز ملے وہ بازار کے معیار سے ان داموں سے کم کی قرار پائے جو ادا کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ فروخت کنندگان کو بازار کے نرخ سے زیادہ دام مل جائیں اور ممکن ہے کہ اس سے کم ہی ملیں۔ مذکورہ بالا معاملات میں ایک معاملہ، بیع الحُصاۃ کا جائزہ لینے سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ کپڑوں کا تاجر مختلف قسم کے کپڑے سامنے لگا دیتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ تم کنکری پھینکو، جس کپڑے پر کنکری گرے اسے تم فلاں قیمت کے عوض لے لو۔

جیسا کہ شاہ صاحب نے لکھا ہے، قمار سے کوئی تمدنی فوائد نہیں وابستہ ہیں، نہ اُسے اس طرح کا تعاون قرار دیا جا سکتا ہے جو عام تجارتی لین دین میں پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اس طریقے کے رواج پانے سے اس تعاون اور ان سرگرمیوں کا ترک لازم آتا ہے جو تمدن کے لیے ناگزیر ہیں[1] جیسا کہ ہماری بحث سے ظاہر ہے یہ بات بجائے خود قمار اور اس سے آلودہ کاروباری معاملات کو رد کرنے کی ایک بنیاد ہے۔ اسی طرح یہ بات کہ انشورنس کا طریقہ اصلاً تعاون پر مبنی ہے اور اس سے اہم تمدنی فوائد وابستہ ہیں نیز اس سے ان سرگرمیوں میں مدد ملتی ہے جو تمدن کے لیے ناگزیر ہیں۔ انشورنس کے قمار سے پاک اور ایک پسندیدہ طریقہ ہونے کی دلیل ہے۔ شریعت نے جس جوئے کو حرام کیا ہے اس کا کوئی شائبہ انشورنس میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ انشورنس کے نام سے جوئے بازی کا امکان ہے، لیکن مناسب قوانین وضوابط کے ذریعے اس امکان کا ازالہ کرنا ممکن ہے۔ جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔

## انشورنس اور سود

انشورنس کرانے والے جو پریمیم ادا کرتے ہیں اُن سے انشورنس کمپنیوں کے پاس ایک کثیر

---

[1] شاہ ولی اللہؒ، حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۔

سرمایہ جمع ہو جاتا ہے۔ یہ سرمایہ، کسی متعین وقت پر، اس رقم سے زیادہ ہوتا ہے جو ان انشورنس کرانے والوں کو نقصانات کی تلافی کے لیے کمپنی ادا کرتی ہے۔ اس کے خاص سبب تین ہیں۔ ایک سبب برابر نئے افراد کا انشورنس کراتے رہنا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ انشورنس کا پریمیم احتیاطاً اس کم سے کم رقم سے زیادہ رکھا جاتا ہے جو انشورنس کرانے والے افراد کے پورے گروہ کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کے لیے درکار ہوتی ہے۔ ایک تیسرا سبب یہ بھی ہے کہ پریمیم کی رقمیں ایک معلوم و متعین حساب کے مطابق ہر سہ ماہی پر آتی رہتی ہیں۔ جبکہ ادا کی جانے والی رقموں کے بارے میں اوقات کی زیادہ پابندی نہیں ہوتی۔ انشورنس کمپنیاں اپنا فاضل سرمایہ اس طرح مشغول رکھنا چاہتی ہیں کہ نقصان کا اندیشہ کم سے کم ہو اور اصل سرمایہ کے تحفظ کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ مروّجہ نظام میں اس کی عملی شکل سودی تمسکات ( SECURITIES ) کی خریداری ہے۔ انشورنس کمپنیاں عام تجارتی حصص کی خریداری میں کم ہی ہاتھ ڈالتی ہیں۔

چونکہ پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمایے میں اس طرح اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے انشورنس کرانے والوں کے لیے واجب الادا پریمیم کا حساب لگانے میں بھی اس اضافہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ پریمیم کی مقدار اس سے کم رکھی جاتی ہے جو پریمیم کے ذریعہ حاصل ہونے والے سرمایے کو مشغول کر کے اس میں اضافہ نہ کرنے بلکہ بیکار جمع رکھنے کی صورت میں رکھنی پڑتی۔ اس طرح پریمیم کا حساب لگانے میں بھی سود اور اس کی مروّجہ شرحوں کا دخل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمایے کو مشغول کر کے اس میں اضافہ کرنے کی کوئی ایسی صورت ممکن ہو جو سود سے پاک ہو تو انشورنس کا نظام سود سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک خود طریقۂ انشورنس کا تعلق ہے اسے اس طرح بھی اختیار کیا جا سکتا ہے کہ پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمایے کو صرف جمع رکھا جائے، مشغول نہ کیا جائے مگر اس طرح انشورنس کرانے والوں کو زیادہ مقدار میں پریمیم ادا کرنا ہوگا اور انشورنس کی لاگت بڑھ جائے گی۔ سرمایے کی ایک کثیر مقدار کو بیکار جمع رکھنا قومی وسائل کے ضیاع کا ہم معنی ہوگا۔ مختلف انفرادی اور اجتماعی مصالح کا تقاضا ہے کہ اس سرمایہ کو مزید

سرمایہ کاری کے لیے استعمال کیا جائے تاکہ قومی دولت میں اضافہ ہو اور انشورنس کی لاگت بھی کم کی جاسکے۔ اس لیے انشورنس پریمیم سے حاصل ہونے والے فاضل سرمایے کو مشغول کر کے اس میں اضافہ کرنا چاہیے۔

اصل سوال یہ ہے کہ ایک غیر سودی نظام میں انشورنس کے سرمایہ کا نفع آور استعمال کس طرح عمل میں آئے کہ متعلقہ فوائد حاصل کیے جاسکیں۔ اس سوال کے جواب پر غور کرتے وقت اس اہم حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ سوال جس صورت میں انشورنس کے نجی کاروباری اداروں کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اس صورت میں ریاست کے زیر اہتمام انشورنس میں نہیں پیدا ہوتا۔ ریاست کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس سرمایہ کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی پیداآوری یقینی ہے اور سرمایے کے ڈوبنے یا اس میں نقصان اٹھانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا، ہماری تجویز یہ ہے کہ اسلامی نظام میں معیشت کے ایک وسیع دائرہ میں انشورنس کی تنظیم پوری طرح ریاست کے ہاتھوں میں ہو۔ اس دائرہ کی حد تک اس سوال کا جواب آسانی کے ساتھ ممکن ہے۔

جس چھوٹے سے دائرہ میں نجی کاروبار کے طور پر انشورنس کی اجازت دی جائے گی اس کی حد تک فاضل سرمایے کے نفع بخش استعمال کی نسبتہً محفوظ راہیں ایک غیر سودی معیشت میں بھی میسّر آسکیں گی۔ ان راہوں کی نشان دہی ہم اپنی کتاب "غیر سودی بنک کاری" میں کر چکے ہیں۔[1]

غیر سودی معیشت میں انشورنس کے نجی کاروباری اداروں کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اپنا فاضل سرمایہ حکومتی حصص شرکت یا اونچی ساکھ کے نجی کاروباری اداروں کے حصص خریدنے میں صرف کریں۔ بنکوں کے مضاربت کھاتہ میں رقم جمع کرنا بھی ان کے نفع آور استعمال کی ایک محفوظ شکل ہوگی کیونکہ ان کھاتوں سے وابستہ اندیشۂ نقصان کو عملاً ختم کر دیا جائے گا۔ تجربے کی روشنی میں ان مختلف راہوں میں سرمایہ کاری سے حاصل

---

[1] غیر سودی بنک کاری۔ ساتواں باب صفحات ۲۰۸ - ۲۲۸۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۶۹ء

ہونے والی اوسط شرح نفع کا ایک قابل اعتماد اندازہ لگانا ممکن ہوگا جسے پریمیم کا حساب لگانے میں استعمال کیا جاسکے۔

یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ بازار میں سود کی شرح ایک متعین اور معلوم مقدار ہے جبکہ غیر سودی نظام میں نفع کی شرح کے ایک محتاط اندازے کو مذکورہ بالا حساب سے بنیاد بنانا ہوگا۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ بازار میں سود کی شرح بھی بدلتی رہتی ہے اور انشورنس کمپنیاں پریمیم کا حساب لگانے میں سود کی مروجہ شرح میں ممکن تبدیلیوں کے پیش نظر اس کے ایک محتاط اندازے کو بنیاد بناتی ہیں۔ کیونکہ پریمیم کی مقدار بازار میں شرح سود کی ہر تبدیلی کے ساتھ تبدیل نہیں کی جاسکتی۔

انشورنس کے سرمایہ کے نفع اور استعمال سے عملاً اس سے زیادہ نفع ہوسکتا ہے جس کو پریمیم کا حساب لگانے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ اس فاضل نفع سے ایک ایسا ریزرو فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے جو سرمایہ کے استعمال میں نقصان کے نظری اندیشہ سے تحفظ کا کام کرسکے۔ جس سال عملاً نقصان سے دوچار ہونا پڑے، اس سال نقصان کی تلافی اس ریزرو فنڈ سے کی جاسکتی ہے تاکہ نقصان کے نتیجے میں انشورنس کرانے والوں سے پریمیم کی مقدار بڑھانے کا مطالبہ نہ کرنا پڑے۔ اس طرح کے احتیاطی ریزرو موجودہ نظام میں بھی ضروری ہوتے ہیں۔ اس ریزرو کے ذریعہ عرصۂ طویل میں پریمیم کی مقدار کو واقعی شرح نفع کے مطابق رکھنے کا کام لیا جاسکتا ہے۔

چونکہ انشورنس کا تعلق سود سے صرف ضمنی طور پر سرمایہ کے نفع آور استعمال میں قائم ہوتا ہے اس لیے یہ تعلق ایک ایسی معیشت میں خودبخود ختم ہو جائے گا جس کی تنظیم سود کے بغیر کی گئی ہو، جہاں سرمایہ کے نفع آور استعمال کی غیر سودی راہیں میسر ہوں۔ مگر بعض اوقات یہ رائے بھی ظاہر کی جاتی ہے کہ خود معاہدۂ انشورنس ربا کو مستلزم ہے کیونکہ پریمیم ادا کرنے والے کو اس سے زیادہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا ہے جتنی وہ حادثہ کے وقوع کے وقت تک بالاقساط جمع کرچکا ہو۔ اس رائے کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ ہر اضافہ ربا ہے۔ یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے۔ شریعت میں ہر اضافہ کو علی الاطلاق

ربا نہیں قرار دیا گیا ہے۔ پریمیم کے طور پر ادا کی جانے والی رقم قرض نہیں ہے کہ اس کے بالمقابل زیادہ رقم کی ادائیگی کو اصل پر اضافہ کے ساتھ واپسی قرض قرار دے کر ربا کا حکم لگایا جاسکے۔ اپنی حقیقی روح کے اعتبار سے پریمیم کی نوعیت زر تعاون یا چندہ کی ہے جو ایک مفید اجتماعی خدمت کی فراہمی کے لیے دیا جارہا ہو۔ تعاونی انشورنس (MUTUAL INSURANCE) اور ریاست کے زیر اہتمام انشورنس میں اس کی یہ نوعیت بالکل واضح ہے۔ اگر ہم انشورنس کی نجی کاروباری تنظیم کو سامنے رکھ کر بھی غور کریں تو بھی پریمیم کو قرض نہیں قرار دیا جاسکتا اسے ایک ایسی خدمت کی قیمت سمجھا جاسکتا ہے جس کی انجام دہی اس کی ضرورت پڑنے پر موقوف ہے۔

بہ خلاف عام سودی قرض کے، انشورنس میں ملنے والی رقم کا انحصار نہ تو مدت کے طول پر ہوتا ہے نہ اس کی مقدار اس مجموعی رقم پر منحصر ہوتی ہے جو پریمیم ادا کرنے والے نے حادثہ واقع ہونے کے وقت تک مجموعی طور پر ادا کی ہو۔ اس رقم کا انحصار اصلاً متعلقہ حادثہ کے نتیجہ میں واقع ہونے والے مالی نقصان پر ہوتا ہے۔ انشورنس کی شکلوں مثلاً بیمۂ زندگی میں ملنے والی رقم پہلے سے متعین ہوتی ہے مگر بہت سی دوسری شکلوں مثلاً آتش زدگی وغیرہ میں یہ رقم پہلے سے متعین نہیں ہوتی بلکہ نقصان واقع ہوجانے پر نقصان کے مطابق متعین کی جاتی ہے۔ بعض دوسری شکلوں میں اس کی پیشگی تعیین کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ نقصان واقع ہونے پر اس کی مالیت بھی پہلے سے معلوم ہوتی ہے مثلاً بحری جہاز کا ڈوب جانا۔

زندگی کے بیمے میں ایک مشکل سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کسی خاص عمر میں کسی آدمی کی موت سے (اس کے اہل خاندان کو) مالی طور پر کتنا نقصان واقع ہوگا۔ اس کا اندازہ کس طرح لگایا جائے۔ مال و املاک کے سلسلے میں مالیت کی تعیین معروضی پیمانوں کے مطابق آسانی سے ممکن ہے۔ مگر جان کے سلسلے میں تعیین کے معروضی پیمانے صرف جزئی طور پر ہی میسّر ہیں ایسی صورت میں ایک حد کے اندر رہتے ہوئے اس بات کا فیصلہ متعلق فرد یا افراد کی صواب دید پر چھوڑنا ضروری تھا کہ وہ اس نقصان کا کیا اندازہ قائم کرتے ہیں اور اس کے پیش نظر کس رقم کی پالیسی خریدنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اس فرد یا افراد کی حال میں بچت

کرنے کی صلاحیت اور اس پر آمادگی بھی اہمیت رکھتی ہے، اور اس پر آمادگی بھی اہمیت رکھتی ہے، اور اس سوال کو بھی اس پر چھوڑا جا سکتا تھا۔ ان تمام باتوں پر نظرِ ثانی ممکن ہے مگر ان کی موجودگی میں صرف یہ بات کہ بیمہ زندگی کرانے والے کو اپنی ادا کردہ رقم سے زیادہ رقم مل سکتی ہے، اس مزید رقم کو سود قرار دینے کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ اگر انشورنس کی خالص شکل یعنی تعاونی ( MUTUAL ) تنظیم کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو انشورنس کرانے والے افراد پریمیم کے طور پر مجموعی طور پر جو رقم ادا کرتے ہیں اتنی ہی رقم افراد کے اس گروہ کو مجموعی طور پر واپس دی جاتی ہے، نہ کم نہ زیادہ۔ کیونکہ پریمیم کا حساب، قانون اعداد کثیر اور قانونِ اوسط کی روشنی میں، اس اصول پر مبنی ہے کہ وہ پورے گروہ کے نقصان کی تلافی کر سکے۔ اگرچہ کسی ایک فرد نے جو رقم ادا کی ہے اُس میں اور اُس فرد کو جو رقم ملتی ہے اُس میں فرق ہوگا۔ مگر ان تمام افراد پر مشتمل مجموعہ کے لیے دونوں رقموں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس وضاحت میں ہم نے تنظیم انشورنس پر آنے والے انتظامی اخراجات، اور انشورنس کے سرمایے کے نفع آور استعمال سے ہونے والے اضافہ دونوں کو نظر انداز کر دیا ہے تاکہ مسئلہ کی اصل نوعیت کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ عملاً مذکورہ بالا اخراجات کے پیشِ نظر انشورنس کرانے والوں کی ادا کردہ رُقوم ان کو مجموعی طور پر دی جانے والی رقوم سے زیادہ ہوں گی۔ مگر دوسری طرف سرمایہ کے نفع آور استعمال سے ہونے والے اضافہ کے پیشِ نظر ان کو دی جانے والی رقم اُن سے لی جانے والی رقم سے زیادہ ہوگی۔ عملاً اس اضافے کا پیشگی حساب کر کے اس نسبت سے انشورنس کرانے والوں سے (پریمیم کے طور پر) نسبتہً کم رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مسئلہ کی اس نوعیت پر غور کرنے سے واضح ہے کہ انشورنس کا معاملہ ربا سے یکسر مختلف ہے۔ سودی قرض میں قرض لینے والوں کو 'انفرادی طور پر' لی ہوئی رقم سے زیادہ رقم واپس دینی ہوتی ہے اور یہی صورتِ حال ان تمام افراد کے مجموعہ کے لیے بھی قائم رہتی ہے جو سودی قرض لیتے ہیں۔ انشورنس میں انشورنس کرانے والے افراد کو مجموعی طور پر اتنی ہی رقم واپس ملتی ہے جتنی انھوں نے ادا کی ہوتی ہے، اگرچہ اِنفرادی سطح پر صورتِ حال مختلف ہوتی ہے۔

## انشورنس کے سلسلے میں دوسری خرابیوں کا احتمال

یہ دیکھ لینے کے بعد کہ انشورنس اصلاً قمار اور ربا سے پاک ہے اور انشورنس کا نظام اس طرح پر چلایا جا سکتا ہے کہ اس کی تفصیلات اِن خرابیوں سے نہ آلودہ ہوں، ہمیں اس بات کا بھی اطمینان حاصل کرنا ہے کہ یہ طریقہ ان دوسری خرابیوں سے بھی پاک ہے جن سے شریعت عام معاملاتِ زندگی، بالخصوص لین دین کے معاملات کو پاک دیکھنا چاہتی ہے۔ قمار اور رِبا کے علاوہ دوسری خرابیاں یہ ہیں:

۱۔ اکراہ۔

۲۔ اضطرار سے بے جا فائدہ اٹھانا

۳۔ غِش و غبن

۴۔ غرر فاحش اور جہل مُفضی الی النزاع

۵۔ ضرر

کتاب اللہ یا سنتِ نبویؐ نے جن معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے ان میں یہی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور یہی اُن کے ممنوع ہونے کا سبب ہیں۔ فقہ اسلامی میں معاملات کے جواز یا عدمِ جواز کا حکم اسی بنیاد پر لگایا گیا ہے کہ وہ ان خرابیوں سے پاک ہیں یا ان سے آلودہ ہیں۔ جو معاملات ان خرابیوں سے پاک ہوں وہ مباح ہیں۔ اگر وہ معتبر انسانی مصالح کے خادم ہوں تو پسندیدہ اور مطلوب بھی ہیں۔ انشورنس کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام خرابیوں سے پاک ہے اور ساتھ ہی اہم انفرادی اور اجتماعی مصالح کا خادم بھی ہے۔

پہلی تین خرابیوں سے عام حالات میں انشورنس کا پاک ہونا کسی بحث کا محتاج نہیں معلوم ہوتا۔ اگر کسی مخصوص معاہدہ میں ان میں سے کوئی خرابی پائی جائے تو قانون کی مداخلت سے اس کی اصلاح ممکن ہوگی اور اصلاح کے بعد بھی انشورنس کا طریقہ اختیار کیا جاسکے گا۔ انشورنس کے نجی کاروباری ادارے اگر معقول مقدار سے زیادہ پریمیم وصول کریں تو اُسے غبن، قرار

دیا جا سکتا ہے، انشورنس کرانے والا فرد اپنی عمر، صحت، مالی حیثیت یا جن املاک کا انشورنس کرایا جا رہا ہو ان کی ملکیت کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے تو یہ غش کی تعریف میں آئے گا۔ وغیرہ۔

اسی طرح پانچویں خرابی، یعنی ضرر سے بھی انشورنس کا طریقہ پاک ہے۔ انشورنس کے معاہدہ سے کسی تیسرے فریق کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا نہ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے کوئی اجتماعی مفاد مجروح ہوتا ہے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

شریعت کا منشا یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر معاملہ میں فریقین متعلقہ امور سے پوری طرح آگاہ ہو کر معاہدہ کریں تاکہ وہ اپنے نفع نقصان یا حقوق و فرائض کے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ مبتلا رہیں اور آئندہ آگاہی ہونے پر جھگڑے نہ کھڑے ہوں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف غم و غصّہ نہ پیدا ہو، خرید و فروخت کے معاملات میں قیمت، خریدی جانے والی چیز، اور دوسرے متعلق امور کے بارے میں جب ایسا عدم علم پایا جائے جو آئندہ جھگڑے کی بنیاد بن سکتا ہے تو معاملہ کرنے سے روکا گیا ہے۔

غرر کی بنیاد عدم علم اور عدم تعیین ہے۔ سنّت میں ممنوع بیع غرر کی چند مثالیں ہیں۔ تالاب میں جتنی مچھلیاں ہوں، ان کی ایک متعین قیمت کے عوض فروخت، حاملہ اونٹنی کے بچّہ جننے سے پہلے اس بچّہ کی فروخت، درخت پر بور آنے پر ان پھلوں کی فروخت جو ابھی تیار نہیں ہوئے ہیں۔ جب فروخت کی جانے والی چیز وصف اور مقدار کے اعتبار سے معلوم اور متعین نہ ہو تو معاہدہ بیع میں غرر کا عنصر داخل سمجھا جائے گا۔ خدمات کی فروخت اور لین دین کے دوسرے معاملات میں بھی جب فریقین کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں اس نوع کے عدم تعیین یا عدم علم کا شکار ہوں تو معاملہ غرر پر مبنی ہوگا۔

سنت میں غرر کی بنا پر ممنوع معاملات کے درمیان ایک قدر مشترک یہ بھی ہے کہ مقصد کا حصول غرر سے بچتے ہوئے بھی ممکن ہو۔ مثلاً مذکورہ بالا مثالوں میں یہ ممکن ہے کہ ادا کی جانے والی قیمت کی مقدار مچھلیوں کی اس مقدار پر منحصر ہو جو تالاب سے نکلیں۔ یا اونٹنی کے بچّہ جننے کے بعد اس کو خریدا جائے، یا درختوں کے پھل تیار ہونے پر اُن کی فروخت عمل میں آئے۔ ہمارے علم کی حد تک سنت میں غرر کی بنیاد کسی ایسے معاملے سے

نہیں روکا گیا ہے جو کسی ضرورت کی تکمیل یا مصلحت کے حصول کے لیے ناگزیر ہو مگر اُسے غرر، یعنی عدم علم اور عدم تعیین سے پاک کرنا کسی طرح ممکن نہ ہو۔ فقہاء نے عام طور پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ تمدّنی ضرورت کے جن معاملات کو عدم علم سے پوری طرح پاک نہ کیا جا سکتا ہو ان کی اجازت ہے اور ان کی ضرورت کے پیش نظر تھوڑے غرر کو گوارا کیا جائے گا۔ البتہ اگر غرر زیادہ ہے تو معاملہ سے روک دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس تھوڑے اور بہت کی تعیین میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مثالوں میں سے پہلے اور تیسرے معاملہ کا عدمِ جواز مختلف فیہ ہے اور متعدد فقہاء متعلقہ غرر کو قابلِ درگذر سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا ازالہ زحمت طلب ہے۔

جہاں تک انشورنس کرانے والے ادارے کا تعلق ہے وہ رقوم معلوم اور متعین ہوتی ہیں جو اُسے انشورنس کرانے والے افراد کے مجموعہ سے ملیں گی اور انھیں ادا کرنی ہوں گی۔ یہ علم اور تعیین قانون اوسط، اور اس امر پر مبنی ہے کہ پریمیم کا حساب اسی بنیاد پر لگایا جاتا ہے کہ پورے گروہ کو بحیثیت مجموعی کتنی ادائیگی کرنی، قانون اوسط کی روشنی میں، لازم آئے گی۔ ان حسابات کی روشنی میں غلطی کی گنجائش کم ہے، اور جو غلطی رہ جائے اس کی تلافی تعاونی اور ریاستی انشورنس کی صورتوں میں بآسانی ممکن ہے۔ انشورنس کرانے والے کسی ایک فرد کے اعتبار سے البتہ یہ بات معلوم اور متعین نہیں ہے کہ اسے کوئی رقم ملے گی یا نہیں، یا کتنی رقم ملے گی اور پریمیم کی صورت میں اسے مجموعی طور پر کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی اس عدم علم اور عدم تعیّن کا سبب یہ ہے کہ جس حادثے اور اس سے مالی نقصان کے پیش نظر انشورنس کرایا جاتا ہے اس کا وقوع، کسی ایک فرد کے ساتھ، معلوم ومتعین نہیں ہے یہ عدم علم اور عدم تعیّن کہ کسی فرد کو کوئی متعیّن حادثہ پیش آئے گا یا نہیں، انسانی زندگی سے دور کرنا ممکن نہیں ہے۔ انسان اس عدم علم اور عدم تعیّن کے سلسلے میں معذور ہے۔ یہی صورتِ حال انشورنس کا طریقہ اختیار کرنے کی داعی بنتی ہے۔ انفرادی سطح پر اس عدم علم اور عدم تعیّن کو اگر غرر قرار دیا جائے تو بھی اس کی بنیاد پر انشورنس کے طریقے کو ممنوع قرار دینا مناسب نہ ہوگا، کیونکہ اسے ممنوع قرار دینے کی صورت میں متعلقہ ضرورت کی تکمیل

اور مصالح کا تحفظ کسی صورت ممکن نہ رہ جائے گا۔ مزید برآں یہ معاملہ اپنی مخصوص نوعیت رکھتا ہے، اس کی اجتماعی نوعیت کو نظر انداز کر کے صرف انفرادی سطح پر موجود غرر کی بنا پر اسے ممنوع نہیں قرار دینا چاہیے۔

انشورنس ایک نیا معاملہ ہے۔ اس کی نوعیت لین دین کے دوسرے معاملات سے بالکل مختلف ہے۔ اس معاملہ میں عدم علم اور عدم تعین جہاں اور جس قدر پایا جاتا ہے اس کی نوعیت سادہ خرید و فروخت میں پائے جا سکنے والے اس عدم علم یا عدمِ تعین سے مختلف ہے جس کی مثالیں سنّت میں ممنوع بیع غرر کے معاملات میں ملتی ہیں۔ یہ معاملہ اجتماعی سطح پر معلوم و متعین۔ انفرادی سطح پر غیر معلوم و غیر متعین ہے۔

انشورنس میں جس نوع کا عدم علم اور عدم تعین پایا جاتا ہے وہ آگے چل کر فریقین کے درمیان جھگڑے کی بنیاد نہیں بنتا کیونکہ انشورنس کرانے والا اس عدم علم اور عدمِ تعین سے پوری آگاہی کے ساتھ انشورنس کراتا ہے۔ اسے اس بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ وہ جانتا ہے کہ وہ ایک حادثے کے اندیشے کی بنا پر انشورنس کرا رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ وہ حادثہ واقع نہ ہو۔ آگے چل کر اگر اُسے وہ حادثہ پیش نہ آتا جس کے اندیشے سے انشورنس کرایا گیا تھا تو یہ بات اس میں نہ انشورنس کرنے والوں کے خلاف غم و غصّہ پیدا کر سکتی ہے، نہ یہ احساس کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا یا اس کی لاعلمی سے بے جا فائدہ اٹھایا گیا۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، انشورنس کرانے والا فرد جو پریمیم ادا کرتا ہے اسے متعلقہ حادثہ کے مالی نقصان سے تحفظ کی قیمت قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تحفّظ ایک معلوم اور متعیّن امر ہے جو اسے معاہدۂ انشورنس کے تحت بہر صورت حاصل ہوتا ہے۔ خواہ متعلقہ حادثہ پیش آئے یا نہ پیش آئے۔ قطع نظر اس سے کہ کس فرد کو یہ تحفظ نقصان کی تلافی میں ملنے والی رقم سے حاصل ہوتا ہے اور کس فرد کو اس طور پر کہ اُسے سرے سے نقصان ہی نہیں ہوتا، اور کس فرد کو پریمیم کی کتنی قسطیں عملاً ادا کرنی پڑتی ہیں، اگر اس تحفظ کو مرکزِ توجہ بنایا جائے تو اس معاملے میں انفرادی سطح پر بھی غرر کا وجود مشتبہ ہے معاملے کے دونوں

فریقوں کے حقوق وفرائض بالکل معلوم اور متعین ہیں البتہ ان کی مالی تعبیریں ایسے حوادث پر منحصر ہیں جو عدم علم اور عدم تعین کا شکار رہیں۔

جیسا کہ بعض معاصر اسلامی مفکرین نے اشارہ کیا ہے سنت میں غرر کی بنا پر بعض معاملات سے اسی صورت سے روکا گیا ہے جب غرر بہت زیادہ ہو[1]۔ نیز اس میں بیع غرر کی ممانعت آئی ہے نہ کہ مجرّد غرر کی خواہ وہ زندگی کے کسی معاملے میں پایا جائے[2]۔ اگر جائزہ لیا جائے تو متعدد امور زندگی میں شریعت نے ایسے فیصلوں اور معاہدات کو روا رکھا ہے جو تمام متعلقہ باتوں کے پورے علم پر مبنی نہیں ہوتے یا مبنی نہیں ہو سکتے، مثلاً عقد نکاح، اجارہ، انتخاب امیر، حکم کے ذریعہ نزاعات کا فیصلہ چاہنا، وغیرہ۔

## انشورنس اور شرعی مصالح

خطرِ محض، یعنی آفاتِ ناگہانی اور نادانستہ انسانی لغزشوں کے نتیجے میں رونما ہونے والے حوادث کے سبب مالی نقصان کا اندیشہ، ایک زبردست مفسدہ ہے۔ اس مفسدہ کا ازالہ، اور جس حد تک ازالہ ممکن نہ ہو اس کے اثرات کی تلافی مطلوب ہے کیونکہ اس کے بغیر انسانی مفادات ومصالح مجروح ہوں گے۔ یہ مقصد اقتصادی طور پر جتنا اہم ہے اس سے زیادہ اہمیت اسے اخلاقی اور روحانی طور پر حاصل ہونی چاہیئے۔ یہ اندیشے سکونِ خاطر کے دشمن ہیں۔ اور انسان کی طبیعت میں خوف واضطراب پیدا کر کے اس کی قوتِ عمل کو مفلوج کر سکتے ہیں۔ یہ اعمال وافعال اور ان کے قدرتی نتائج کے درمیان رخنہ بن کر ذہن کے سامنے آتے ہیں جس کا اثر ہمارے رویّہ پر بُرا پڑتا ہے۔

---

[1] مصطفٰی احمد الزرقار: عقد التامین (السوکرہ) وموقف الشریعہ الاسلامیہ صفحہ ۴۵ مطبعہ جامعۃ دمشق: ۱۹۶۲ء نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد البہی: نظام التامین فی ھدی احکام الاسلام وضرورات المجتمع المعاصر طبع قاہرہ ۱۹۶۵ء

[2] سید محمد صادق الحسنی الروحانی: المسائل المستحدثہ۔ جلد ۱ صفحہ ۲۷۔ دارالفکر، قم (ایران) ۱۳۸۴ھ

خطرِ محض کے ازالہ کی ممکن تدبیریں انسان ہمیشہ اختیار کرتا رہا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ گھر میں آگ نہ لگے، مال چوری نہ ہو، اس کی سواری حادثے کا شکار نہ ہو، اس کا ہاتھ مشین کی زد میں نہ آجائے اور وہ عمرِ طبیعی سے پہلے نہ مرے۔ وہ چراغ بجھاکر سوتا ہے، مال کو بند کرکے تالے چڑھاتا ہے، اچھی غذا اور مرض کی حالت میں موزوں علاج کا اہتمام کرتا ہے شریعت کو ایسی تدابیر مطلوب ہیں اور اس نے تاکید کی ہے کہ انھیں اختیار کرکے آدمی اپنی جان و مال محفوظ رکھے۔ شریعت نے جان و مال کو دانستہ بربادی کے حوالے کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ لیکن انسانی تجربہ بتاتا ہے کہ ہر ممکن تدبیر کے باوجود حوادث پیش آتے رہتے ہیں اور آفات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ گھروں، دوکانوں اور کارخانوں میں آگ لگتی ہے، مال چوری چلا جاتا ہے، ژالہ باری سے کھڑی کھیتی تباہ ہوجاتی ہے اور جوانی کی موت خاندان کو بے سہارا بنا دیتی ہے۔ ایسی صورتِ حال پیش آجانے پر اسلام نے متأثر ہونے والے افراد کے ساتھ ہمدردی اور مواساۃ کی تلقین کی ہے اور ان کی امداد کی ترغیب دی ہے۔

ان خطرات کے نتیجے میں جو مالی نقصان ہوتا ہے ان کے سبب بسا اوقات کوئی فرد یا خاندان اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے محتاج ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی امداد کی ضرورت اور نقصان کی تلافی کی اہمیت واضح ہے مگر جب نقصان کے نتیجے میں محتاجی کی کیفیت نہ پیدا ہو تو بھی اس فرد کی معاشی کارکردگی متأثر ہوتی ہے اور اس خاندان کے معاشی امکانات محدود ہوجاتے ہیں۔ افراد کی معاشی کارکردگی کو مجروح ہونے سے بچانا اور خاندانوں کے معاشی امکانات کی وسعت کو بحال رکھنا پورے سماج کے لیے معاشی ترقی اور خوشحالی کا ذریعہ ہے۔ وہ سماج جو معاشی خوشحالی اور ترقی کو مطلوب سمجھتا ہو ان مقاصد سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔

قانون اعداد کثیر کی روشنی میں انشورنس کا طریقہ اختیار کرکے خطرِ محض سے وابستہ مالی نقصانات کی تلافی مذکورہ بالا صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کی ایک جدید شکل ہے ہم اس بات کا اطمینان حاصل کرچکے ہیں کہ یہ طریقہ ان خرابیوں سے پاک ہے جن کی بنا پر شریعت انسانوں

کو بعض طریقے اختیار کرنے سے روک دیتی ہے۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے جن مقاصد کا حصول مطلوب ہو وہ شرعًا معتبر مقاصد ہیں۔ شرعًا معتبر مقاصد کے حصول کے لیے خرابیوں سے پاک نئے طریقے بھی مطلوب ہیں۔ انشورنس کا طریقہ اختیار کرکے افراد معاشرہ پر سے خطر محض کے نتیجے میں پڑنے والے مالی بار کو ہلکا کیا جاسکتا ہے۔ ان کی اقتصادی کارکردگی بحال رکھنے اور پورے سماج میں ایسی فضا قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے کہ پُرخطر اقتصادی اعمال چستی کے ساتھ انجام پاتے رہیں۔ اکثر اوقات اس طریقے سے ان لوگوں کو بڑی مدد مل جاتی ہے جنھیں کسی حادثے نے مفلس و محتاج بنا دیا ہو۔ یہ سب شرعًا معتبر مصالح ہیں جن کے تحفظ کے لیے دوسرے ممکن طریقوں کے ساتھ انشورنس کا طریقہ بھی اختیار کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں واضح کیا جائے گا، اسلامی نظام میں انشورنس کی تنظیم کفالت عامہ اور سماجی تحفظ کے نظام سے مربوط ہوگی اور متعلقہ مقاصد کے حصول کے لیے یہ طریقہ بھی دوسرے معروف طریقوں کے ساتھ ہم آہنگ رہ کر اختیار کیا جاسکے گا۔

مومن کی شان یہ ہے کہ جب کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو اس پر کبیدہ خاطر نہ ہو صبر کرے اور تسلیم و رضا کے ساتھ بغیر کسی شکوہ اور رنج کے آگے بڑھ جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خطرات و حوادث اور ناگوار باتوں کے سدّباب کی کوشش نہ کرے اور ایسی تدابیر نہ اختیار کرے کہ وہ وقوع میں نہ آئیں۔ اسی طرح اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ پیشگی اس بات کا اہتمام نہ کرے کہ ان خطرات و حوادث اور ناگوار باتوں سے وابستہ مالی نقصانات کی تلافی ہوسکے انسدادی تدابیر اور خطر محض سے وابستہ مالی نقصانات کی تلافی کا پیشگی اہتمام خواہ یہ اہتمام انفرادی ہو یا اجتماعی، عقیدۂ تقدیر اور تصور تسلیم و رضا سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ نبی کریمؐ، صحابہ کرامؓ اور سلف صالح کی پوری تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہی فہم درست ہے۔ اس بات سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خطرہ مال و املاک کے ضیاع کا ہے یا کمانے والے کی بیماری، معذور ہوجانے یا وفات پاجانے کا۔

---

تیسرا باب

# انشورنس سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام میں

## انشورنس کا ارتقار

انشورنس کے اصول اور اس کی عملی اہمیت پر غور کرنے اور اس بات کا اطمینان حاصل کر لینے کے بعد کہ یہ طریقہ شرعی خرابیوں سے پاک ہے بلکہ شرعی مصالح کے تحفظ کا ذریعہ ہے' اب ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ سماج میں انشورنس کی تنظیم کس طور پر عمل میں لائی جائے۔ مگر قبل اس کے کہ ہم اسلامی نظام میں انشورنس کے مسئلہ پر غور کریں۔ انشورنس کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈال کر یہ معلوم کر لینا مفید ہوگا کہ مغربی سرمایہ داری اور پھر اشتراکی نظام نے اس طریقہ کو کس طرح برتا ہے۔

انشورنس کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ابتدا میں اس کی زیادہ تر شکلوں میں باہمی تعاون کی روح کارفرما تھی۔ قانون اعداد کثیر کے کسی باقاعدہ علم کے بغیر انسانی گروہوں نے ایسے خطرات کے مقابلے یا ایسی ضروریات کی تکمیل کے لئے جو اچانک گروہ کے کسی فرد کو پیش آسکتی تھیں، یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ گروہ کا ہر فرد عام حالات میں ایک مشترکہ فنڈ میں کچھ رقم جمع کرتا رہے تاکہ وقت پڑنے پر اس میں سے حادثہ کا شکار ہونے والے یا ضرورت مند فرد کی امداد کی جاسکے۔ بعض اوقات یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ یہ امدادی رقم وقتِ ضرورت پہلے سے طے شدہ اصول کے مطابق، افراد سے وصول کر کے مستحق فرد کو پہنچا دی جاتی۔ چنانچہ رومن دورِ حکومت میں تجہیز و تکفین کے ادارے (BURIAL CLUBS)

قائم کیے گئے تھے جو کسی فرد کے مرجانے پر اس کی آخری رسوم ادا کرنے کے لئے اسی طور پر چندہ کر کے رقم فراہم کرتے تھے۔ سترھویں صدی میں انگلستان میں بیماروں کو ان کے علاج کے لئے مدد دینے کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ گروہ کا جو فرد بیمار ہو کر کسبِ معاش سے معذور ہو جاتا اسے مشترکہ فنڈ سے امداد دی جاتی، اور بیمار کی وفات کی صورت میں تجہیز و تکفین کے اخراجات بھی ادا کئے جاتے، مجالس احباب (FRIENDLY SOCIETIES) جن کا رواج اٹھارویں صدی میں بہت بڑھ گیا تھا؛ یہی کام انجام دیتی تھیں۔ انگلستان میں تاجروں کی انجمنیں (MERCHANTS CLUBS) مشترکہ فنڈ قائم کر کے امدادی کام انجام دیتی تھیں۔ اس امداد کا استحقاق کسی اچانک حادثے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ضرورت کی بنا پر ہوتا تھا۔ تیرھویں صدی میں آتشزدگی کا شکار ہونے والوں کی امداد کے لئے چرچ میں چندہ کی اپیل کے ذریعے فنڈ جمع کیا جاتا تھا۔

زمانۂ قدیم میں بھی بین الاقوامی تجارت زیادہ تر بحری جہازوں کے ذریعے انجام پاتی تھی۔ یورپ میں بحری تجارت کے بڑے مراکز بحیرۂ روم کے گرد واقع ممالک اور ان کی بڑی بندرگاہیں تھیں۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں یونان میں ایسے طریقے اختیار کئے گئے تھے جن سے ان لوگوں کے نقصان کی تلافی ہو سکے جن کے جہاز سمندر میں ڈوب جائیں۔ چونکہ ان طریقوں کو اختیار کرنے والوں کے درمیان سودی لین دین رائج تھا لہٰذا بحری انشورنس کے ان ابتدائی طریقوں کے ساتھ بھی سود وابستہ تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں اٹلی کے بحری تجارت کے مراکز بالخصوص فلورنس میں انشورنس کے طریقے بڑے پیمانے پر اختیار کئے جانے لگے تھے۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں اس غرض کے لئے باضابطہ اداروں کا قیام عمل میں آنے لگا تھا۔ انگلستان سے متعلق قدیم ترین بحری انشورنس کی تاریخ ۱۵۴۷ء بتائی جاتی ہے۔

انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے اشیاء کی پیداوار میں اضافہ ہوا اور نقل و حمل کے نئے ذرائع میسر آئے، جس سے داخلی اور خارجی تجارت میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوئی۔ مشین استعمال کرنے والے کارخانوں میں کوئلہ کی کانوں میں اور ریل کے ذریعہ نقل و حمل کے دوران ایسے حادثے ہونے لگے جن میں اچانک کسی کی جان چلی جاتی، کوئی

کسی عضو سے محروم ہو جاتا یا زخمی ہو کر معذور ہو جاتا۔ صنعتی ترقی کے ساتھ شہری آبادیوں میں بھی اضافہ ہونا شروع ہوا اور آتش زدگی، چوری اور رہزنی جیسے خطرات پہلے کی نسبت بہت بڑھ گئے۔ صنعت و تجارت میں توسیع، تمدنی زندگی کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی اور خطرات و حوادث میں بے تحاشا اضافے نے' انشورنس' کی ضرورت میں بھی غیر معمولی اضافہ کر دیا۔

اس سے پہلے نسبتہً پُرسکون زندگی اور ٹھہری ہوئی معیشت میں امداد باہمی کی انجمنیں اور چھوٹے پیمانے پر کام کرنے والے دوسرے ادارے اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کر دیتے تھے مگر بدلے ہوئے حالات میں یہ ادارے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے ناکافی ثابت ہوئے اس کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ حکومت یا بڑے اجتماعی ادارے مثلاً چرچ اس کا اہتمام کرے یا تجارتی اصولوں پر انشورنس کی تنظیم عمل میں لائی جائے۔

سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں بھی اس ضرورت کی تکمیل کے لئے حکومت کی طرف رجوع کرنے اور چرچ کی طرف سے انشورنس کا اہتمام کئے جانے کی مثالیں ملتی ہیں۔ ۱۶۶۳ء میں شاہ انگلستان کے سامنے مکانوں کی آتش زدگی کے سلسلے میں انشورنس کی ایک اسکیم پیش کی گئی تھی مگر یہ اسکیم منظور ہو کر عمل کا جامہ نہ پہن سکی۔ پھر ۱۶۶۹ میں لندن کی کامن کاؤنسل کے سامنے اسی طرح کی ایک درخواست پیش ہوئی۔ آخر کار ۱۶۷۴ء میں کاؤنسل نے اس سلسلے میں ایک اسکیم کی منظوری کی سفارش کر دی۔ مگر بعض وجوہ کی بنا پر اسے بھی عمل میں نہ لایا جا سکا۔ اجتماعی اداروں کی جانب سے انشورنس کے اہتمام کی ایک نمایاں مثال وہ فنڈ ہے جو چرچ آف اسکاٹ لینڈ نے وفات پا جانے والے پادریوں کے اہلِ خاندان کی کفالت کے لئے قائم کیا تھا۔ ۱۸۱۵ء میں بیواؤں کے لئے ایک فنڈ (SCOTTISH WIDOWS FUNDS) کے نام سے قائم کیا گیا جس نے اس انشورنس کا دائرہ عام افراد معاشرہ تک وسیع کر دیا۔

بعض ہوشیار اور دوربین افراد نے عام ضرورت کو محسوس کر کے اس کی تکمیل کے لئے ایسے طریقے بھی اختیار کئے جن سے وہ ذاتی نفع کما سکیں۔ اس کی ایک نمایاں مثال لندن کے ایک ڈاکٹر نکولا باربن کی وہ اسکیم ہے جو اس نے لندن کی عظیم آتش زدگی ۱۶۶۶ء کے بعد

عمارتوں اور رہائشی مکانات کے انشورنس کے سلسلے میں جاری کی تھی۔ آگے چل کر انشورنس کے متعدد کاروباری ادارے قائم ہوئے اور انشورنس کی فراہمی میں کاروباری اداروں کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی امداد باہمی کی بنیاد پر انشورنس کے اداروں کا قیام بھی جاری رہا۔

انشورنس کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کے لئے ایک اہم سوال یہ ہے کہ رفتہ رفتہ انشورنس کی ایک تجارتی کاروبار کے طور پر تنظیم نے دوسرے ممکن طریقوں پر ترجیح کیوں حاصل کر لی، اور یہ ضرورت حکومت کے زیر اہتمام یا امداد باہمی کے اداروں کے ذریعہ کیوں نہ پوری کی جا سکی۔ اس سوال کے جواب میں تمدن کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی اور انشورنس کی ضرورت میں غیر معمولی اضافے کا حوالہ دینا درست ہو گا مگر کافی نہیں ہو گا۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مجالس احباب اور امدادِ باہمی کی انجمنیں ایک محدود جغرافیائی علاقے میں بسنے والے یا ایک ہی پیشہ سے تعلق رکھنے والے چند ہزار افراد کے لئے انشورنس کی معمولی ضرورت کو پورا کر سکتی تھیں مگر وسیع علاقوں (اور بسا اوقات پورے ملک میں) پھیلے ہوئے لاکھوں افراد کی ان ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی تھیں جو نئے حالات میں پیدا ہو رہی تھیں۔ نئی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک نیا تنظیمی ڈھانچہ ناگزیر تھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ نیا ڈھانچہ انشورنس کی ایک نفع آور کاروبار کے طور پہ نجی تنظیم کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا۔ جدید حالات میں انشورنس کی خدمت کس طور منظم کی جائے، اس کا واحد جواب وہ طریقہ نہیں ہے جو انیسویں صدی میں یورپ میں اختیار کیا گیا۔ کیونکہ یہ طریقہ ایک مخصوص تہذیبی فضا میں اختیار کیا گیا تھا اور اسی کا پروردہ تھا۔ قبل اس کے کہ آج ہم اپنے لئے اس سوال کا جواب متعین کریں، یہ سمجھ لینا مفید ہو گا کہ ماضی میں اختیار کئے جانے والے تنظیمی ڈھانچے کا اس وقت کی تہذیبی فضا سے کتنا گہرا تعلق تھا۔

انیسویں صدی میں یورپ کا سرمایہ دارانہ سماج ایک مخصوص مزاج کا حامل تھا۔ انفرادیت اور مسابقت، ذاتی نفع کو اصل مقصود سمجھنا اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے بے نیاز ہونا اس مزاج کے اہم عناصر تھے۔ انشورنس جیسی بنیادی خدمات کو نفع آور

نجی کاروبار کے طور پر منظم کرنے کی ذمہ داری انہیں اسباب پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے پوری معیشت میں ذاتی نفع کو کاروباری جدوجہد کا محرک اور مقصود بنالیا، مسابقت اور اکثر اوقات اخلاقی حدود اور اجتماعی مصالح سے بے نیاز مسابقت کو رواج دیا۔ معاشی زندگی اور کاروباری معاملات سے باہمی تعاون، ایثار و ہمدردی اور عدل وانصاف جیسی بنیادی اقدارِ حیات کو بے دخل کر دیا اور انفرادی سرگرمیوں کو اجتماعی مفاد کا خادم بنانے کی بجائے یہ سبق سکھایا کہ اجتماعی مفاد کا بیش از بیش حصول انفرادی اغراض ومفادات کی یکسوئی کے ساتھ طلب میں مضمر ہے اور اس طرزِ فکر کی بنیاد ڈالی جس نے ریاست کی عدمِ مداخلت کے اصول کو اقتصادی تنظیم کے اولین اصول کے طور پر اختیار کر لیا۔ یہی زمانہ قوم پرستی کے عروج کا زمانہ تھا، عام انسانیت سے تعلق کا احساس اور وسیع تر انسانی مفادات کی خدمت کا جذبہ کمزور پڑ چکا تھا۔ افراد کی وفاداریاں محدود جغرافیائی خطوں میں بسنے والی نئی قوموں کے ساتھ وابستہ تھیں۔ یہ وفاداریاں بھی کم از کم اقتصادی دائرے میں انفرادی اغراض ومفادات کی تابع تھیں نا پختہ اہلِ سائنس کے ہاتھوں تنگ نظر، کوتاہ اندیش اور بر خود غلط اہلِ مذہب کی شکست کا سماجی زندگی اور عمرانی علوم دونوں پر گہرا اثر پڑ رہا تھا۔ انسانی زندگی ایسے افکار و تصورات سے عاری اور انسانوں کا انفرادی اور اجتماعی عمل ایسے محرکات سے محروم ہوتا جا رہا تھا جو ایک فرد کو دوسرے افراد اور پورے معاشرے کے اور ایک قوم کو دوسری قوموں اور پوری انسانیت کے مفادات ومصالح کی رعایت ملحوظ رکھنے یا اس سے آگے بڑھ کر ان کی خدمت کرنے پر آمادہ ہو سکیں۔ دوسری طرف صنعتی انقلاب، تجارت میں توسیع اور ذرائع نقل وحمل کی ترقی نے ایک فرد کے مفادات ومصالح کو دوسرے افراد کے مفادات ومصالح سے اور ایک قوم کی بہبود کو دوسری اقوام کی بہبود سے پہلے سے زیادہ وابستہ کر دیا تھا۔ جن منفی رجحانات اور مضر اقدامات کا اثر سابق تمدن میں صرف چند افراد تک محدود رہتا ان کے اثرات کا دائرہ اب پورے معاشرہ تک وسیع ہو چکا تھا۔ جن مفادات ومصالح کا تحفظ پہلے الگ الگ چھوٹے گروہوں کے باہمی تعاون سے عمل میں آسکتا تھا اب وہ تمام افراد

معاشرہ کی منظم کوششوں کے محتاج تھے۔ اس سیاق میں حالات کا یہ تقاضا تھا کہ ریاست انسانی زندگی بالخصوص معیشت میں زیادہ فعّال کردار ادا کرے اور افرادِ معاشرہ کے باہمی تعاون کا آلہ بن کر رہے مگر سرمایہ دارانہ مزاج کے مخصوص تقاضوں نے عرصہ تک اسے یہ کردار اختیار نہ کرنے دیا۔

اسی دوران میں قانونِ اعدادِ کثیر اور نظریۂ اغلبیت کے بارے میں علمی تحقیق آگے بڑھی اور ایسی معلومات اکٹھا ہونے لگیں جو انشورنس کی سائنٹفک تنظیم میں غیر معمولی طور پر مددگار ثابت ہوئیں۔ اچھی کاروباری صلاحیت رکھنے والے ہوشیار آدمیوں نے اندازہ کر لیا کہ جدید تمدنی حالات میں انشورنس کی بڑھتی ہوئی طلب نفع آور کاروبار کے لئے ایک وسیع میدان فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ انشورنس کے لئے پہلے شرکت کے اصول پر پھر مشترکہ کمپنیوں کی صورت میں بڑے بڑے ادارے قائم ہوئے۔ سرمایہ دارانہ کاروبار کے دوسرے دائروں کی طرح اس دائرے میں بھی انسانوں کے لئے مطلوبہ خدمات کی بطریق احسن فراہمی مراکز توجہ نہیں رہی بلکہ اس بات کو مقصود بنا لیا گیا کہ انسانوں کی ایک ضرورت اور اس ضرورت پر مبنی "طلب" کو کس طرح بیش از بیش نفع کمانے والا بنایا جائے۔ اس استحصال میں نئے کاروباری اخلاق کے مطابق تمام معروف اخلاقی حدود و قیود کو بالائے طاق رکھ کر وسیع پیمانے پر ایسے طریقے اختیار کئے گئے جو مکر و فریب دھوکا اور دھاندلی اور قمار بازی پر مبنی تھے۔ اس دائرے میں بیمانۂ کبیر پر کاروبار کے فوائد سرمایہ دارانہ کاروبار کے دوسرے دائروں سے بھی زیادہ تھے چنانچہ اجارہ داری کو فروغ حاصل ہوا۔ مسابقت نام کا اصول نفع کو ایک حد کے اندر رکھنے اور صارفین کے استحصال کو روکنے میں ناکام رہا جیسا کہ سرمایہ دارانہ کاروبار کے اکثر دائروں میں ہوا۔ یہ عمل جاری رہا تا آنکہ بڑھتے ہوئے ظلم اور بے انصافی اور عوام کے استحصال کے مضر اقتصادی، سیاسی اور سماجی اثرات کی روک تھام کے لئے حکومتیں مداخلت پر مجبور ہو گئیں۔ کاروبار انشورنس کی ضابطہ بندی کا یہ رجحان اٹھارویں صدی ہی میں ظاہر ہو چکا تھا۔ اس کی ایک نمایاں مثال ۱۷۷۴ء میں انگلستان میں نافذ کیا جانے والا

قمار بازی سے متعلق قانون (GAMBLING ACT) ہے جو انشورنس کے نام پر بڑھتی ہوئی قمار بازی کے انسداد کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ یہ سلسلہ انیسویں صدی میں بھی جاری رہا اور متعدد قوانین کے ذریعہ کاروبار انشورنس کو ایسے آداب وضوابط کا بنایا جاتا رہا جن کا منشاء انشورنس کرانے والوں کے مفادات کا تحفظ تھا۔ انیسویں صدی میں سرمایہ دارانہ تنظیم معیشت کے خلاف بے اطمینانی اور بیزاری کی ایک زبردست لہر اُٹھ چکی تھی۔ آگے چل کر اسی کے زیر اثر متعدد ممالک میں کاروبار انشورنس کے بعض اہم شعبوں کو نجی دائروں سے نکال کر قومی تحویل میں لے لینے کا رجحان ظاہر ہوا۔ بیسویں صدی میں اس رجحان کے پہلو بہ پہلو بعض ممالک نے سرمایہ دارانہ نظام کو ترک کر کے پوری معیشت کو ریاست کے زیر اہتمام منظم کرنے کا طریقہ بھی اختیار کر لیا۔ اب دنیا کے ایک تہائی حصے میں اشتراکی نظام کے تحت انشورنس کے نجی کاروبار کی گنجائش ختم ہو چکی ہے اور دوسرے بہت سے ممالک میں بھی بیمۂ زندگی اور جنرل انشورنس کی بعض اہم شاخیں قومی تحویل میں لی جا چکی ہیں۔

سوشلسٹ اور جمہوری تحریکوں کے زیر اثر نیز سرمایہ دارانہ نظام کی بڑی بڑی خرابیوں کے ردعمل کے طور پر جب بیسویں صدی میں فلاحی ریاست کا تصور عام ہوا تو سوشل انشورنس کا نظام بھی قائم ہوا۔ سماج کے معذور اور محتاج افراد، وہ بوڑھے جو کسب معاش نہ کر سکتے ہوں، بیوائیں جو بے سہارا رہ گئی ہوں، یتیم بچے اور وہ بچے جن کے سرپرست ان کی کفالت نہ کر سکتے ہوں، نیز وہ قابل کار فرما افراد جنھیں باوجود کوشش کے روزگار نہ مل سکا ہو، اس بات کے مستحق سمجھے جانے لگے کہ سماج ان کی کفالت کرے۔ جب خود حکومت نے ایک آجر (EMPLOYER) کی حیثیت اختیار کر لی تو وہ اپنے اجیروں کے ان مسائل کی طرف توجہ کرنے پر بھی مجبور ہوئی جو حادثات کا شکار ہونے، علالت یا اچانک موت اور مدت کارگزاری کے خاتمے پر سبکدوشی سے پیدا ہوتے تھے۔ سماجی عدل کا تقاضا ہوا کہ حکومت اپنے اجیروں کے معاملے میں جو ذمہ داریاں اُٹھا رہی ہے وہ معیشت کے نجی دائرے میں بھی آجرین پر عائد کی جائیں۔ پراویڈنٹ فنڈ، پنشن، گریجویٹی، مفت علاج، مزمن مرض یا معذوری کی صورت میں امداد وغیرہ کے اہتمام کے علاوہ بھی سوشل انشورنس کا دائرہ،

بالخصوص ترقی یافتہ ممالک میں روز بروز وسیع تر ہوتا گیا۔ بعض ممالک میں اب عام مریضوں کے علاج اور ابتدائی تعلیم جیسی ضروریات کی تکمیل کو بھی اسی دائرے میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ عام افراد کی بہت سی ایسی ضرورتیں جو سو سال پہلے صرف انشورنس کے تجارتی اداروں کے توسط سے پوری کی جاسکتی تھیں اب ریاست کی طرف سے پوری کی جانے لگیں، اگرچہ مختلف ممالک کے طرز عمل میں اب بھی خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ ان خدمات کی فراہمی کے لئے کسی حد تک تو عام محاصل سے ہونے والی آمدنی استعمال کی جاتی ہے اور کسی حد تک متعلقہ افراد کو بچت پر آمادہ کرنے یا فیس اور زر تعاون کی صورت میں رقم وصول کرنے کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اب ریاست کے نظام محاصل اور اس کے اخراجات سے انشورنس کا ربط اتنا گہرا ہو چکا ہے کہ جدید ماہرین معاشیات یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ سوشل انشورنس اور سماجی تحفظ کا مطالعہ مالیاتِ عامہ اور نظام محاصل کے سیاق میں کیا جائے۔ اس طرز فکر کا ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ متعدد دائروں میں خدمت انشورنس کی فراہمی اور اس کے لئے مالی وسائل بہم پہنچانے کو دو علیحدہ اور ایک دوسرے سے ممیز کام سمجھا جانے لگا ہے۔ اس حقیقت کا واضح شعور پیدا ہو چلا ہے کہ خطر محض کے نتیجے میں بعض اوقات ایسے مالی نقصانات رونما ہوتے ہیں جن کی کسی حد تک تلافی بہرحال کی جانی چاہیے۔ رہا ایسا کرنے کے لئے مالی وسائل کی فراہمی تو اس مسئلہ پر نظام محاصل کے سیاق میں غور کرنا چاہیئے۔ غیر اختیاری بے روزگاری، دوران روزگار اچانک موت، صنعتی حادثات کے نتیجہ میں معذوری بیوگی، بڑھاپا، مرض وغیرہ عام خطرات کے سلسلے میں اکثر فلاحی ریاستوں میں اب یہی طریقہ اختیار کیا جارہا ہے۔

سوشل انشورنس میں توسیع کے باوجود معیشت کے بیشتر دائروں میں انشورنس کی فراہمی سرمایہ دارانہ ممالک میں اب بھی نجی کاروباری اداروں کے ذریعہ عمل میں آتی ہے انشورنس کے ارتقا کا جائزہ لیتے وقت ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اس ضرورت کو امداد باہمی پر مبنی اداروں کے ذریعہ پورا کرنے کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔ انشورنس کی قدیم ترین شاخ، بحری تامین میں اس کا رواج نسبتًا کم ملتا ہے مگر بعض دوسری شاخوں بالخصوص آتشزدگی سے انشورنس میں ابتدا ہی سے امداد باہمی پر مبنی اداروں کا رواج خاصی حد تک رہا ہے اور

اب بھی قائم ہے۔ ۱۶۶۶ء میں لندن کی عظیم آتش زدگی کے بعد جہاں آتش زدگی سے انشورنس کرنے کے لئے نکولا باربن نے ایک کاروباری ادارہ قائم کیا وہیں ۱۶۶۹ء میں دست بدست ( HANDIN HAND ) کے نام سے ایک تعاونی ادارہ بھی قائم ہوا جس نے یہ ضرورت دوسری کمپنیوں سے بہت کم لاگت پر پوری کی۔ امریکہ میں بنجامن فرینکلن نے ۱۷۵۲ء میں امدادِ باہمی کے اصول پر آتش زگی سے انشورنس کا جو ادارہ قائم کیا تھا وہ آج بھی کامیابی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں دوسرے انشورنش کے ادارے بھی امدادِ باہمی کے اصول پر چلائے جارہے ہیں جن کے دائرے میں آتش زدگی کے علاوہ بعض دوسرے حادثات سے انشورنس بھی شامل ہے۔

"امدادِ باہمی پر مبنی انشورنس کمپنی کے مالک اس کے پالیسی ہولڈر ہوتے ہیں اور وہی اس کو چلاتے ہیں۔ یہ کمپنی انہی افراد کے فائدے کے لئے چلائی جاتی ہے اس کے کوئی دوسرے حصّہ دار نہیں ہوتے۔ ہر پالیسی ہولڈر کو کمپنی کے معاملات میں دخل ہوتا ہے۔ یہی لوگ مل کر کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرس کا انتخاب عمل میں لاتے ہیں جو کاروبار کو عملاً چلانے کے لئے منیجروں اور افسروں کا تقرر کرتا ہے۔ پالیسی ہولڈرز سے نقصان کی صورت میں تلافی کے وعدے کے عوض کمپنی ان سے کچھ رقمیں پریمیم کے طور پر وصول کرتی ہے۔ پریمیم سے جمع ہونے والے فنڈ اور اس فنڈ کے نفع آور استعمال سے ہونے والی آمدنی کے ذریعہ کمپنی اپنے پالیسی ہولڈرز کے نقصانات کی تلافی بھی کرتی ہے اور کمپنی کے اخراجات بھی پورے کرتی ہے۔ قانون کی رُو سے یا کاروبار کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے، جو ریزرو رکھنے ضروری ہوں وہ بھی رکھے جاتے ہیں۔ ان اخراجات کے بعد جو کچھ بچ رہے وہ پالیسی ہولڈرز کے درمیان نفع کے طور پر تقسیم کردیا جاتا ہے۔ امداد باہمی پر مبنی انشورنس کمپنی، انشورنس کی خدمت کو اس کی اصل لاگت کے عوض فروخت کرتی ہے۔"[۱]

---

[۱] JOHN BANBRIDGE; BIOGRAPHY OF IDEA; THE STORY OF MUTUAL FITE AND CASUALTY INSURANCE PAGE 20 DOUBLEDAY & CO. INC. NEWYORK 1952

انشورنس کے تعاونی ادارے امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس اور دوسرے مغربی ممالک میں کامیابی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اداروں سے لاکھوں آدمی استفادہ کرتے ہیں، مگر اس طریقہ تنظیم کے تسلسل اور مقبولیت کے باوجود امر واقعہ یہی ہے کہ کاروبار انشورنس میں ان کا درجہ ثانوی ہے اور بیشتر انشورنس مشترکہ کمپنیوں اور کارپوریشنوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔

اوپر ہم نے یہ سوال قائم کیا تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں انشورنس کی تنظیم کے دوسرے طریقوں کے مقابلے میں اپنے حصہ داروں کے لئے نفع کمانے والی کمپنیاں اس میدان میں غالب کردار کیوں ادا کر رہی ہیں۔ اس سلسلے میں جو بنیادی بات اوپر کہی جا چکی ہے اس کے علاوہ امدادِ باہمی پر مبنی طریقہ تنظیم کے غالب نہ آسکنے کے مخصوص اسباب کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ انشورنس کا کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت بڑے پیمانے پر تنظیم چاہتا ہے۔ اس کے بغیر قانون اوسط سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانا اور انشورنس کی لاگت کو کم رکھنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ امدادِ باہمی پر مبنی تنظیم زیادہ بڑے پیمانے پر دشوار ہوتی ہے۔ بہت بڑے پیمانے پر تنظیم کے لئے پرانے تصور کی جگہ ایک ایسا تصور اختیار کرنا ضروری ہے جس میں ریاست امدادِ باہمی کا وسیلہ بن سکے۔ ایک دوسرا سبب یہ بھی کارفرما رہا ہے کہ بیسویں صدی کے وسط تک مشترکہ کمپنیوں اور کارپوریشنوں کو ریاستیں ایسے ضوابط کا پابند بنا چکی تھیں کہ ان کی وہ سماجی مضرتیں بہت کم ہوگئی ہیں جن کا ظہور گزشتہ دو صدیوں میں ہوا تھا۔

امدادِ باہمی پر مبنی تنظیموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدا میں ان کی نشو و نما چند مخلص کارکنوں کی فراہمی پر منحصر رہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ایسے کارکنوں کی مسلسل فراہمی دشوار ہو جاتی ہے۔ نفع کے لئے چلانے والے اداروں کے برعکس ان اداروں میں کسی ایک فرد یا چند افراد کا ذاتی مفاد ادارے کی کارکردگی یا کامیابی کے ساتھ اس قدر وابستہ نہیں ہوتا کہ وہ پوری لگن کے ساتھ اس میں کام کر سکیں۔ جب تک ایسے اداروں کا دائرۂ کار کسی ایک شہر یا ایک مخصوص جغرافی خطہ یا ایک پیشے کے لوگوں تک محدود رہتا ہے، یہ ادارے

اپنے مرکزی کارکنوں کو سماجی اعزاز اور نیک نامی وغیرہ غیر مالی فوائد سے بہرہ مند کرکے ان کے جذبہ خدمت کو زندہ رکھنے میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں مگر دائرۂ کار میں توسیع کے ساتھ ان محرکات کو برقرار رکھنا اور قوی بنائے رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ چونکہ ادارے کے کارکنوں کا تقرر میقاتی انتخابات کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ لہٰذا اچھے کارکنوں کو تسلسل کے ساتھ خدمت کا موقع ملنا بھی یقینی نہیں ہوتا جب کہ کاروباری کمپنیوں میں حصہ داروں کے مخصوص گروہ بہر صورت اس کا اہتمام کر سکتے ہیں کہ ان کے نمائندے مسلسل منتخب ہوتے رہیں۔

دور جدید میں انشورنس کی تنظیم جس عظیم پیمانے پر درکار ہے اس کے پیش نظر ایسے طریقے اختیار کرنا ناگزیر ہو گیا ہے کہ نفع آور کاروباری اداروں کے مقابلے میں تعاونی اداروں کے مفید پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تنظیم کو زیادہ مستحکم اور رضا کارانہ خدمات پر کم منحصر بنایا جا سکے۔ تعاونی انشورنس کا سب سے اہم امتیاز یہ ہے کہ اس میں انشورنس کو سرمایہ فراہم کرنے والوں یا ادارے کے کارکنوں اور سرپرستوں کے لئے نفع کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا جاتا۔ پریمیم سے جمع کی جانے والی رقوم نقصانات کی تلافی اور انتظامی اخراجات پر صرف کی جاتی ہیں اور ان رقوم کو نفع بخش کاموں میں لگا کر ان میں اضافے کے ذریعہ پریمیم کی مقدار کم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر عملاً کچھ نفع بچ رہے تو وہ انشورنس کرانے والوں کو واپس کر دیا جاتا ہے۔ اسی اصول کے تحت ایسے بڑے کارپوریشن قائم کئے جا سکتے ہیں جو ریاست کی زیر نگرانی کام کریں۔ ایسے اداروں کے لئے ابتدائی سرمایہ ریاست فراہم کرے یہ سرمایہ غیر سودی ہو اور ریاست اسے کارپوریشن سے بالاقساط وصول کرے۔ سرمایہ کی یہ قسطیں عرصۂ طویل میں اس طرح ادا کی جا سکتی ہیں کہ کارپوریشن اپنا فاضل نفع ان کی ادائیگی میں صرف کرے۔ صورت دیگر اسے انتظامی اخراجات کا ایک جزو سمجھتے ہوئے اس کا بار انشورنس کرانے والوں پر ڈالا جا سکتا ہے۔ ان اداروں کے انتظام میں انشورنس کرانے والوں کے نمائندوں اور مفاد عامہ کی نگرانی کرنے والے دوسرے آزاد شہری حلقوں کی نمائندگی دی جا سکتی ہے۔ یہ مناسب ہوگا کہ حکومت ان سے صرف عام نگرانی اور مفادِ عامہ کے پیشِ نظر رہنمائی کا تعلق رکھنے کے لئے ان کی انتظامیہ میں اپنے نمائندے

شامل کرے اور ان کی داخلی کارروائیوں کو اپنے دفتری نظام سے آزاد رکھے۔ ان اداروں کے حسابات، سرمایہ کاری کے سلسلے میں ان کے فیصلے اور دوسرے ایسے امور جن کا تعلق انشورنس کرانے والوں کے مفاد سے ہو نشر و اشاعت کے ذریعے ملک کے سامنے آتے رہیں گے اور پبلک کے لئے ان کا احتساب کرنا اور ان کو مشورے دینا ممکن ہو گا۔ ان نیم آزاد پبلک کارپوریشنوں کے ذریعہ دورِ جدید میں وہی فوائد حاصل کئے جا سکیں گے جو سادہ معیشت میں امداد باہمی کی انجمنوں کے ذریعے حاصل کیے جاتے تھے۔ آئندہ صفحات میں جب ہم سوشل انشورنس کے دائرے سے باہر انشورنس کے دوسرے دائروں کو ریاست کے زیر اہتمام منظم کرنے کی تجویز پیش کریں گے تو ہمارے پیشِ نظر ایسے ہی نیم آزاد کارپوریشن ہوں گے۔

## انشورنس اشتراکی نظام میں

صنعتی انقلاب کے بعد معیشت کی سرمایہ دارانہ تنظیم سے عام انسانوں کو جن بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا انہوں نے بہت سے سوچنے والوں کو معاشی تنظیم کے کسی متبادل نقشے کی تلاش پر آمادہ کیا۔ اس تلاش کا مقصود معاشی عدل تھا۔ تجویز کردہ نقشوں میں مساوات اور تعاون پر زور دیا گیا مگر ساتھ ہی اجتماعی کنٹرول کی ضرورت بھی محسوس کی گئی جو نقشے صرف نیک خواہشات پر مبنی تھے وہ زیادہ تائید نہ حاصل کر سکے اور سرمایہ داروں کے جارحانہ استحصال نے اس تلاش میں طبقاتی کش مکش کا عنصر بھی داخل کر دیا۔ بالآخر اصلاح پسندوں کو بیش از بیش اجتماعی کنٹرول کا سہارا لینا پڑا۔ یہ بات کہ مارکس کے معاشی تجزیے سے اور اس سے آگے بڑھ کر اس کے بنیادی فلسفہ اور جدلی مادیت سے کتنے لوگ کن وجوہ کی بنا پر متفق تھے، اتنی اہم نہیں جتنی یہ بات کہ ایک صدی تک کسی متبادل نظام کی تلاش کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ دنیا کے ایک وسیع خطے میں اشتراکی نظام قائم ہو گیا جس کے بنیادی اصول ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت، ریاست کی جانب سے معیشت کی منصوبہ بند تنظیم اور ریاست کے زیرِ اہتمام بنیادی انسانی ضروریات کی تکمیل اور سماجی عدل کا قیام تھے۔ یہ نظام سب سے پہلے روس میں قائم ہوا اور اب دنیا کی ایک تہائی آبادی

اس نظام کے تحت زندگی گزارتی ہے۔ باقی دنیا پر بھی اس نظام کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ بالخصوص ایشیا افریقہ، اور جنوبی امریکہ کے متعدد ممالک کے معاشی نظام جزئی طور پر انہی اصولوں پر کاربند ہیں۔

اس نظام میں پیدا وار دولت، تجارت اور نقل وحمل کا پورا نظام ریاست کے ہاتھوں میں ہے اس لئے انشورنس کی وہ ضرورت جو سرمایہ دارانہ معیشت میں آزاد کاروباری، تاجروں جہاز رانوں وغیرہ کو پیش آتی ہے، اس نظام میں نہیں ہوتی۔ ریاست خود قانون اعداد کثیر سے استفادہ کرتے ہوئے پیدا وار دولت، تجارت اور نقل وحمل کے دائروں میں واقع ہونے والے اچانک مالی نقصانات کی تلافی کا اہتمام کر سکتی ہے۔ انشورنس کی ضرورت اس نظام میں زیادہ تر اس دائرے میں پیش آتی ہے جو اب سوشل انشورنس کا دائرہ قرار پایا ہے۔ اس دائرے سے باہر مقامی طور پر چھوٹے کسانوں اور عام افراد کی ضرورت انشورنس کی تکمیل کے لئے امداد باہمی کی ایسی انجمنیں قائم کی گئی ہیں جو رضا کارانہ شرکت کے اصول پر افراد کے زرِ تعاون اور جزئی طور پر ریاستی امداد کے سہارے انشورنس کی ضرورت پوری کرتی ہیں۔

روس میں سوشل انشورنس کا نظام تقریباً تمام ایسی مشکلات میں افراد معاشرہ کی دستگیری کرتا ہے جو مرض، معذوری، بڑھاپے، سرپرست کی اچانک موت، یا کسی دوسرے حادثے کے نتیجے میں رونما ہوتی ہیں۔ مزدوروں اور دوسرے برسر کار افراد کو مدت روزگار ختم ہونے پر معقول گزارہ دینے کا طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اس پورے نظام میں امداد کا استحقاق اور اس کی مقدار کسی حد تک ضرورت پر اور کسی حد تک صلاحیت اور سابق آمدنی پر مبنی ہے[1]

---

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو:

maurice dobb. soviet economic development since 1917. London 1966 edition

p.p. 448,487-90

چوتھا باب

# انشورنس اسلامی نظام میں

انشورنس کے ارتقاء، اور معاصر نظاموں میں اس کی تنظیم کے طریقوں کا جائزہ لینے کے بعد ہمیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ اسلامی معیشت میں اس بارے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مسئلے کی نوعیت پر دوبارہ نگاہ ڈالی جائے۔

انشورنس ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ یہ بات ان تمام حادثات اور ان کے مالی عواقب کے بارے میں درست ہے جن سے ہر ایک آدمی دوچار ہو سکتا ہے۔ اچانک موت، معذوری، علالت، بے روزگاری، آتش زدگی، سیلاب، ژالہ باری، غرقابی اور نقل و حمل سے متعلق حادثات اور ان کے نتیجہ میں واقع ہونے والے مالی نقصانات کسی مخصوص اختیاری عمل، پیسے وغیرہ پر مبنی نہیں ہیں۔ ان کے نتیجہ میں اکثر اوقات متاثر ہونے والا فرد اور اس کا خاندان حقیقی محتاجی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان کے نتیجہ میں بہر صورت افراد کی وہ معاشی کارکردگی متاثر ہوتی ہے جس کا انحصار مال اور املاک پر ہے۔ یہ حقیقت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ زندگی کے ایک بڑے دائرے میں انشورنس کو بنیادی انسانی ضرورت کا درجہ دیا جائے۔

اس ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسری ضرورتوں کی طرح جیسے خوراک، لباس، وغیرہ محنت، تقسیم کار اور مبادلہ (DIVISION OF LABOUR AND EXCHANGE) پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ جس خدمت کے ذریعے اس ضرورت کی تکمیل ممکن ہے وہ کوئی ایک پیدا کنندہ بطور خود پیدا یا فراہم نہیں کر سکتا جیسے کہ وہ دوسری اشیاء اور خدمات کی فراہمی اسی طور پر عمل میں آسکتی ہے کہ مختلف افراد مختلف چیزیں پیدا کریں جب ضرورت اس عمل میں شرکت یا اجرت کی بنیاد پر دوسروں کا تعاون حاصل کریں اور پھر زر کے

توسط سے بازار میں ان اشیاء و خدمات کا مبادلہ عمل میں آئے۔ ضرورت انشورنس کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ ایک ہی خطرے سے دوچار ہونے والے افراد کی اتنی بڑی تعداد کا اشتراک عمل میں آئے کہ ان کے درمیان قانون اوسط کے عمل پر بھروسہ کیا جا سکے۔ اس اشتراک کو ذاتی نفع کی بنیاد پر عمل میں لانے کی اجازت دینا مختلف مضرتوں کا حامل ہے۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھنا مفید رہے گا۔ امن وسکون اور نظم وضبط (LAW AND ORDER) بھی ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ اجتماعی زندگی اور تمدن اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب افراد کی جان ومال اور عزت وآبرو کو ایک دوسرے کی دست درازی سے محفوظ رکھا جائے۔ ہر فرد چاہے گا کہ اس کی یہ ضرورت پوری ہو مگر محنت، تقسیم کار اور مبادلے کا عام عمل اس ضرورت کی تکمیل سے قاصر ہے۔ انسان نے ابتدا ہی سے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے اجتماعی اداروں بالخصوص ریاست پر بھروسہ کیا ہے۔ ریاست نظم وضبط اور امن قائم رکھنے کا اہتمام کرتی ہے اور اس کے اخراجات افراد معاشرہ سے محاصل وصول کر کے پورے کرتی ہے۔ اگر یہ طریقہ نہ اختیار کیا جائے اور اس بات کی اجازت دی جائے کہ کوئی فرد اس ضرورت کی تکمیل کو نفع آور کاروبار کے طور پر انجام دے تو اس سے بے شمار مفاسد رونما ہو سکتے ہیں، مثلاً غیر مستطیع افراد کی ضرورت پوری نہیں ہو سکے گی۔ کاروبار میں اجارہ داری رونما ہوگی اور صارفین سے من مانے دام وصول کر کے ان کا استحصال کیا جائے گا جس کے سبب سماج میں دولت کی تقسیم عدل کی بجائے ظلم پر مبنی ہوگی۔

جن خطرات اور ان سے وابستہ مالی نقصانات سے ہر فرد انسانی کو واسطہ ہے۔ ان سے تحفظ انسان کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا نظم وضبط کا قیام۔ انسانی زندگی بالخصوص اقتصادی زندگی کی آسودگی، کارکردگی اور عدل کے ساتھ بسر ہونے کے لئے آفات ناگہانی کے مالی عواقب سے تحفظ بہت ضروری ہے جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔ اس ضرورت کی تکمیل کا کوئی اہتمام نہ کیا گیا تو سماج کی معاشی کارکردگی متاثر ہوگی، بے اطمینانی پھیلے گی اور عدل درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کی تکمیل اگر نفع آور کاروبار کے رحم وکرم پر چھوڑ دی گئی تو غیر مستطیع افراد کی ضرورت پوری نہیں ہو سکے گی بلکہ بہت سے استطاعت رکھنے والے افراد بھی

اہتمام میں کوتاہی برت کر خود نقصان اٹھائیں گے اور سماج کو نقصان پہنچائیں گے۔ نیز ضرورت مندوں کا استحصال عمل میں آئے گا۔ صحیح طریقہ یہی ہوگا کہ جس طرح ریاست نظم و ضبط کو عام انسانی ضرورت اور متمدن زندگی کی شرط لازم قرار دے کر اس کے قیام کا اہتمام کرتی ہے اور اس کے لئے مالی وسائل کی فراہمی کے مسئلے کو خود اس ضرورت کی تکمیل کے مسئلے سے الگ رکھ کر اُس کے لئے معقول تدابیر اختیار کرتی ہے اسی طرح ایک اصول کے طور پر یہ طے کر لیا جائے کہ جن دائروں میں انشورنس کی ضرورت عام ہے ان میں فراہمیٔ انشورنس کا اہتمام ریاست کرے گی۔

اس اصول کی تفصیلی تعبیر سے پہلے اس امر پر نگاہ ڈال لینی چاہیے کہ خطر محض سے وابستہ مالی نقصانات کا فرد کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ اثر مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے۔ ایک انتہا پر وہ صورت حال ہے جس میں کسی حادثے کے نتیجے میں مال و املاک کی بربادی، جسمانی نقص، معذوری یا موت کے سبب سے متعلقہ فرد یا خاندان کنگال ہو جاتا ہے اور اپنی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے دوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ اس انتہائی صورت حال کے علاوہ ایسی صورتیں بھی ہیں کہ نقصان کے باوجود متعلقہ فرد یا خاندان معاشی طور پر خود کفیل ہو اور آئندہ بھی رہ سکتا ہو لیکن یہ مالی صدمہ اس کے کاروبار کو یا اس کی معاشی کارکردگی کو نقصان پہنچاتا ہو۔ ایسی صورتیں بھی عام ہیں جن میں نقصان کا بار کسی ایک فرد پر نہیں پڑتا بلکہ در اصل ایک ایسے ادارہ پر پڑتا ہے جس کے نقصانات کی تلافی نہ کی گئی تو ان اشیاء یا خدمات کی فراہمی میں خلل پڑے گا جنھیں وہ ادارہ فراہم کرتا ہے۔ یا ان کی لاگت میں غیر معمولی اضافہ ہونے سے ان کی قیمت بہت بڑھ جائے گی یا اس صدمہ کے سبب اس ادارے کا بقا و تسلسل خطرے میں پڑ جائے گا۔ دونوں اثرات اپنی نوعیت کے اعتبار سے یکسر مختلف ہیں۔ ان کے ساتھ جداگانہ معاملے کی ضرورت ہے اس مقالے کے ابتدائی مباحث کی روشنی میں دوسری نوعیت کا ازالہ یا ان میں تخفیف بھی مطلوب ہے اور انشورنس کا طریقہ اختیار کر کے با آسانی ممکن ہے۔ مگر کوئی وجہ نہیں کہ اس نوعیت کے انشورنس کے اہتمام کی لاگت ان ہی لوگوں سے نہ وصول کی جائے

جن کی انشورنس کرنا مقصود ہے۔ جداگانہ معاملے کی ضرورت متعلقہ مالی وسائل کی فراہمی میں ہے۔ یہ فراہمی اس طور پر عمل میں لانی چاہیئے کہ متعلقہ افراد کو اس ضرورت کی تکمیل کے لئے بچت کرنے پر آمادہ کیا جائے اور پورے گروہ سے اتنی بچت کرالی جائے کہ وہ اس کے ان افراد کے نقصانات کی تلافی کے لئے کافی ہو جو متعلقہ حادثات سے متاثر ہوں، جیسا کہ اصولِ انشورنس کا تقاضا ہے۔

اب رہے پہلی نوعیت کے اثرات توان کے ازالے کا تعلق دراصل کفالتِ عامہ اور سماجی تحفظ کے اہتمام سے ہے۔ حقیقی احتیاج خواہ اچانک حوادث کے نتیجے میں رونما ہو یا کسی پیدائشی معذوری کے سبب، خواہ اس کی وجہ عارضی بے روزگاری ہو یا بڑھاپا یا خاندان کے سرپرست کا عمرِ طبیعی کو پہنچ کر وفات پانا، اس احتیاج کو دُور کرنا اور اس مصیبت میں افرادِ معاشرہ کی دستگیری کرنا اسلامی نظام میں ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے عام طور پر ریاست محاصل کی آمدنی پر بھروسہ کرے گی لیکن بعض صورتوں میں اس کے لئے دوسرے مخصوص ذرائع سے بھی وسائل جمع کئے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں، سرکاری ملازمین یا دوسرے بڑے سماجی ادارے کے کارکنوں کی اسی طرح کی ضروریات کی تکمیل کا بار کسی حد تک ان کارخانوں، اداروں اور حکومت پر اسی طرح ڈالا جائے جس طرح ان مزدوروں، ملازمین اور کارکنوں کی اجرتوں اور تنخواہوں کا بار ان پر پڑتا ہے۔ اسی طرح جزئی طور پر ان افراد سے دورانِ روزگار بچت کرانے کا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

## اسلامی نظام میں کفالتِ عامہ

اوپر کی گفتگو سے واضح ہے کہ انشورنس اور کفالتِ عامہ کی سرحدیں ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ کفالت عامہ کا مقصد محروم و محتاج لوگوں کی حاجت روائی ہے تاکہ انسانی سماج کا کوئی فرد ایسا نہ رہ جائے جس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی نہ پوری ہوں خوراک، لباس، مکان، علاج اور تعلیم ایسی ہی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ ان کی تکمیل کا معیار مروّجہ معیاروں اور تمدنی

ترقی پر منحصر ہے۔ جیسا کہ ہم علیحدہ سے واضح کہہ چکے ہیں، کفالت عامہ اسلامی ریاست کی اولین معاشی ذمہ داری ہے[1] اس ذمہ داری کے پہلو بہ پہلو اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ معاشی ترقی کا اہتمام کرے اور سماج میں دولت کی تقسیم کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرے۔ اسلامی نظام میں انشورنس کی ضرورت اس طرح پوری کی جانی چاہیے کہ کفالت عامہ کا فرض بھی ادا ہو اور معاشی ترقی اور سماجی عدل کے دوسرے تقاضے پورے کرنے میں بھی مدد ملے۔ کفالت عامہ کا منشاء مذکورہ بالا حالات میں حاجت روائی سے پورا ہو سکتا ہے مگر ان دوسرے تقاضوں کی تکمیل کے لئے معاشی کارکردگی کی بحالی، اس میں اضافہ اور سماج میں مواقع کی یکسانی برقرار رکھنے۔ اچانک پیش آنے والے خطرات کے مالی صدمات سے تحفظ اور فی الجملہ ایک ایسی فضا قائم کرنے کا اہتمام بھی کرنا ہوگا جو معاشی ترقی کے لئے سازگار ہو۔

کفالتِ عامہ کے اصول کے تحت ہر حاجت مند کو اس بات کی ضمانت حاصل ہونی چاہیے کہ اس کی حاجت روائی کی جائے گی، خواہ حاجت مندی کا سبب کچھ بھی ہو۔ غیر متیقن خطرات سے وابستہ مالی نقصانات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی حاجت مندی خود بخود اس دائرے میں آجائے گی۔ اس اہتمام کے بعد بہت سے انشورنس کرانے والوں کے لئے، جن کا اصل مقصد اچانک حاجت مندی کی حالت میں مبتلا ہو جانے پر اپنے لئے کسی سہارے کا انتظام کرنا ہو، انشورنس کا محرک ختم ہو جائے گا۔ اس کا اثر زندگی کے بیمے اور کسی حد تک حادثات، آتش زدگی، چوری وغیرہ خطرات کے پیش نظر کرائے جانے والے انشورنس پر پڑے گا۔ اس اہتمام کے لئے جو وسیع مالی وسائل درکار ہوں وہ محاصل کے ذریعہ پورے کیے جانے چاہئیں۔ ان محاصل میں عشر و زکوٰۃ بھی شامل ہے۔

جہاں تک ملازمین، مزدوروں اور دیگر برسرکار افراد معاشرہ کا تعلق ہے، پراویڈنٹ فنڈ،

---

[1] اسلام کا نظریۂ ملکیت۔ حصہ دوم۔ گیارھواں باب ”اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں“ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور۔ ۱۹۶۸ء

اور پنشن وغیرہ کی اسکیموں کے ذریعہ ان کے لئے ایسا فنڈ فراہم کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جو مدتِ کارکردگی کے اختتام کے بعد یا کام سے معذوری کی دوسری صورتوں میں ان کے کام آسکے۔ ان اسکیموں کے تحت جزئی طور پر ان افراد سے بچت کرانے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ تمام طریقے اور انہی اصولوں پر مبنی دوسرے طریقے اسلامی نظام میں بھی اختیار کیے جانے چاہئیں۔

مذکورہ بالا تجویز کا منشاء یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کے اہتمام کے باوجود جب جس فرد کو حاجت مند پایا جائے اس کی حاجت روائی کی جائے۔

بہت سے افرادِ معاشرہ اس قدر ضمانت پر قناعت نہ کرنا چاہیں گے جو انھیں کفالتِ عامہ کے تحت حاصل ہوگی۔ اپنے معیارِ زندگی کو قائم رکھنے، معاشی کارکردگی کو بحال رکھنے اور کاروباری امکانات کو برقرار رکھنے کے لئے وہ موت، معذوری، علالت، بیروزگاری، آتشزدگی، سیلاب اور عام حادثات سے ہونے والے مالی نقصانات کی پوری یا بیش از بیش تلافی کا اہتمام کرنا چاہیں گے اور اس مقصد کے تحت بچت کرنے اور پریمیم ادا کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ انشورنس کا اصول ان کے لئے ایسا کرنا ممکن بناتا ہے اور یہ اہتمام ان کے اور پورے معاشرے کے لئے مفید بھی ہے۔ ان کو اس بات کے پورے مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ اس طرح کی انشورنس بھی ریاست کے زیرِ اہتمام عمل میں آنا چاہیے اور یہ کام ایسے نیم آزاد انشورنس کارپوریشنوں سے لینا چاہیے جو ریاست کی نگرانی میں کام کریں۔ عام لین دین، حرفوں اور پیشوں سے متعلق انشورنس، نیز انشورنس کی ایسی ضرورتوں کی تکمیل کا میدان نجی کاروباری اداروں اور تعاونی اداروں کے لئے چھوڑا جا سکتا ہے جن کی ضرورت عام نہ ہو۔ ہماری اس تجویز کے مطابق ریاست سوشل انشورنس کا اہتمام کرے گی، بیمۂ زندگی اور جنرل انشورنس کا بیشتر اہتمام بھی اسی کے تحت انجام پائے گا اور ایک چھوٹے سے دائرے میں انشورنس کے نجی اداروں کے قیام کی بھی اجازت ہوگی۔ اس تجویز کا سبب اجمالاً یہ ہے کہ نجی کاروبار کے بعض فوائد کے پیشِ نظر ایک حد تک اس کی اجازت دینا مفید ہوگا مگر اس کے مفاسد کے پیشِ نظر اہم امور میں انشورنس کو نجی کاروبار کے لئے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ نیز اسلامی نظام کفالتِ عامہ اور عام انشورنس کی باہم مربوط تنظیم بھی اسی وقت عمل میں آسکے گی جب

دونوں کام ریاست کے ہاتھوں میں ہوں۔

اس اجمال کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس سماج میں معیشت کے ایک وسیع دائرے کو نجی کاروبار کے لئے آزاد چھوڑا گیا ہو اس میں اس دائرے میں انشورنس کا اہتمام بھی ضروری ہے اور سوشل انشورنس اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی لیکن معیشت کے آزاد دائرے میں انشورنس کو بھی نجی کاروبار کے لئے آزاد چھوڑ دینے سے متعدد مفاسد وابستہ ہیں۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ انشورنس بڑے پیمانے پر تنظیم چاہتی ہے اور اس کاروبار میں اجارہ داری کا ظہور ناگزیر ہے۔ کاروبار انشورنس میں مسابقت تام کے ذریعے خدمت انشورنس کے نرخ کو لاگت کا پابند رکھنے اور لاگت کو کارکردگی کی ضامن کم سے کم سطح پر رکھنے کا عمل ممکن نہیں۔ انشورنس کی اجارہ دارانہ کاروباری تنظیم صارفین کے استحصال کا سبب بنے گی۔ استحصال کے انسداد کے لئے قدم قدم پر حکومت کی مداخلت اور ضابطہ بندی کی ضرورت پڑے گی جس کے بعد کاروباری آزادی برائے نام رہ جاتی ہے۔ انشورنس کی کاروباری تنظیم کا دوسرا پہلو پریمیم کے طور پر جمع ہونے والے کثیر سرمائے کے استعمال سے متعلق ہے۔ نجی ادارے اس کے استعمال میں سماجی مفادات و مصالح کی بجائے نجی نفع کو مرکز توجہ بناتے ہیں۔ سماجی مفادات و مصالح کا تقاضا ہے کہ خطرات کے مالی عواقب سے عہدہ برآ ہونے کے لئے امداد باہمی کے اصول پر جو کثیر سرمایہ عام کاروبار سے نکال کر فراہم کیا گیا ہے اسے ایسے کاموں میں لگایا جائے جو سماجی مفادات و مصالح کے پیشِ نظر اولیت کے حامل ہوں۔ صنعتی معیشت کی نیم اجارہ دارانہ تنظیم اور مسابقت تام کے فقدان نے دورِ جدید میں اس دعوے کو کہ شرح نفع سماجی ضرورت کے مطابق سرمایہ کاری کی ترجیحات (SOCIAL PRIORITIES OF INVESTMENT) کی آئینہ دار ہے، ازحد مشکوک بنا دیا۔ اس سرمایہ کا استعمال ریاست کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے۔

ان دونوں وجوہ سے انشورنس کے اہم دائروں کو ریاست کی تحویل میں دینا مناسب ہوگا۔ مزید برآں ایسا کرنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ جن خطرات کے مالی عواقب سے

انشورنس کرایا جاتا ہے ان کے انسداد و امتناع، یعنی ان کو واقع ہونے سے روکنے کی تدابیر بھی اختیار کی جاتی ہیں۔ آتش زدگی، سیلاب، سڑکوں کے حادثات، صنعتی حادثات مہلک امراض جیسے خطرات کا موثر تدابیر اختیار کر کے بڑی حد تک سدِّباب کیا جاسکتا ہے۔ جدید زندگی میں اس اہتمام کی ذمہ داری زیادہ تر ریاست کے سر آتی جارہی ہے۔ مناسب ہوگا کہ انسدادی تدابیر اور خطرہ واقع ہوجانے پر تلافی نقصان دونوں کام ایک ہی ہاتھوں میں رہیں۔

بعض فوائد انشورنس کے نجی کاروبار سے بھی وابستہ ہیں۔ مثلاً تمدن کی ترقی، انسانی سرگرمیوں میں پھیلاؤ اور پیداواری عمل کی بڑھتی ہوئی وسعتوں کے ساتھ انشورنس کی ضرورت نت نئے دائروں میں پیدا ہوتی رہتی ہے ان دائروں کی تعیّن اور ذہنی اپج اور فنی مہارت سے کام لیتے ہوئے ان میں انشورنس کی تنظیم کے لئے آزاد کاروباری ادارے زیادہ موزوں ہوں گے اس کی توقع تنخواہ دار کارکنوں اور ریاستی ضوابط کے پابند اداروں سے نہیں کی جاسکتی۔

بعض دائروں میں انشورنس کی نجی کاروباری تنظیم پبلک سیکٹر میں انشورنس کے اداروں کے لئے، کارکردگی اور جدت طرازی کے میدان میں مسابقت کے ذریعہ صحت مند اثر ڈال سکے گی۔ پھر یہ بات ہمیشہ ممکن رہے گی کہ اگر ان دائروں میں انشورنس کی نجی تنظیم سے عوام کا استحصال عمل میں آرہا ہو یا قومی سرمایہ کا بے جا استعمال ہو رہا ہو تو ریاست ان کو قومی تحویل میں لے لے۔

جو ریاست امکانی حد تک افراد کی کاروباری آزادیوں کو بحال رکھنا چاہتی ہو اور سماجی عدل کے اہتمام کے ساتھ معاشی طاقت کے ایسے تمرکز سے بھی بچنا چاہتی ہو جو سیاسی آزادی کو بے جان بنادے اس کے لئے یہی مناسب ہوگا کہ ان دائروں میں انشورنس کو نجی کاروباری اداروں اور تعاونِ باہمی کی چھوٹی انجمنوں کے لئے چھوڑ دے جن کا تعلق مخصوص صنعتوں، پیشوں اور سرگرمیوں سے ہو نہ کہ عام افراد معاشرہ اور صنعتی مزدوروں جیسے بڑے انسانی گروہوں سے۔

انشورنس کے نجی دائرے میں بھی سرمایہ کے استعمال کو ایسے ضوابط کا پابند بنایا جاسکتا ہے جو غیر سودی معیشت کی سہولت کے ساتھ کام کرسکے اور سماجی ترجیحات کے مطابق سرمایہ کاری عمل میں لانے میں مددگار ہو۔ ان اداروں کو اس بات کا پابند بنایا جاسکتا ہے کہ اپنے ریزرو کا ایک حصہ "ریاستی اسناد قرض" کی صورت میں رکھیں اور اپنے قابلِ استعمال سرمایہ کا ایک حصہ "ریاستی حصص شرکت" خریدنے پر صرف کریں[1]

چاہے انشورنس کی تنظیم ریاست کے زیر نگرانی کام کرنے والے نیم آزاد پبلک کارپوریشنوں کی صورت میں عمل میں آئے یا ایک چھوٹے دائرے میں نجی کاروباری اداروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی جائے۔ ایسے طریقوں سے اجتناب لازم ہوگا جن کا لازمی نتیجہ ربا، قمار، غرر فاحش یا ضرر رسانی ہو۔ اوپر ہم یہ واضح کرچکے ہیں کہ پوری معیشت کی غیر سودی تنظیم کے بعد انشورنس کے سرمایہ کو نفع میں شرکت کے اصول پر مشغول کرنا ممکن ہوجائے گا اور انشورنس کی تنظیم کو ہر مرحلہ پر سود سے پاک کیا جاسکے گا۔

جہاں تک انشورنس کی تنظیم کو قمار سے پاک رکھنے کا سوال ہے، یہ کام بڑی حد تک گذشتہ دو سو برسوں میں انجام پاچکا ہے اور علمی تجزیہ ایک ایسا معیار سامنے لاچکا ہے جس کی رہنمائی میں اس امر کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ مروجہ طریقوں میں سے کن طریقوں میں قمار پایا جاتا ہے۔ یہ معیار مختصراً یہ ہے کہ انشورنس کرانے اور اس کے ذریعے نقصان کی صورت میں تلافی کے لئے رقم پانے کا استحقاق اسی کو ہونا چاہیے جس پر اس نقصان کی زد پڑتی ہو یعنی اگر انشورنس نہ کرایا جاتا تو عملاً اس کو نقصان اٹھانا پڑ سکتا تھا۔ اسی فرد یا ان ہی افراد کو اس بات کا حق ہونا چاہیے کہ وہ پریمیم ادا کرکے انشورنس کراسکیں۔ ایک ایسے فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے جو متعلقہ نقصان کی زد میں نہیں ہے۔ ایسے فرد کا انشورنس کرانا قمار ہے کیونکہ وہ انشورنس کراکے اور پریمیم ادا کرنے کی ذمہ داری لے کر، ایک ایسا خطرہ مول لے رہا ہے

---

[1] غیر سودی بنک کاری۔ ساتواں باب۔ غیر سودی بنک کاری اور مالیات عامہ۔ صفحات ۲۱۹، ۲۳ اور ۲۴۸ مطبوعہ مرکزی مکتبۂ اسلامی دہلی ۱۹۶۹ء

جس سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ خطرہ وہ اپنے اختیار سے مول لیتا ہے تاکہ نقصان ہونے کی صورت میں اسے ایک رقم ملے (جب کہ خود نقصان کا اثر اس پر نہیں کسی دوسرے پر پڑتا ہے) جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا یہی قمار کا جوہر ہے۔ ایسا کرنا با آسانی ممکن ہے اور قانون انشورنس کا منشاء اس امکان کا سدِ باب ہے۔ زید کے لئے یہ ممکن نہ ہونا چاہیے کہ وہ عمر کی زندگی کا بیمہ کرا سکے جب کہ اسے اس بات سے کوئی واسطہ نہیں کہ عمر کب مرتا ہے اور اس سے مالی طور پر کیا نقصان ہوتا ہے۔ زید کے لئے یہ ممکن نہ ہونا چاہیئے کہ وہ عمر کے جہاز ڈوبنے کے خطرے کے پیشِ نظر انشورنس پالیسی خرید سکے جب کہ اس جہاز کے ڈوبنے کا مالی اثر زید پر نہیں پڑنے والا ہے، وغیرہ۔ جدید نظریۂ انشورنس میں "قابلِ بیمہ مفاد (INSURABLE INTEREST) کا تصور اسی غرض سے وضع کیا گیا ہے کہ انشورنس کو جوئے بازی سے پاک رکھا جائے مگر اس کی موجودہ تعبیر و تطبیق نظرِ ثانی کی محتاج ہو سکتی ہے۔ ایک دوسرا، اور اصولی اعتبار سے اولیت کا حامل معیار، یہ ہے کہ جس خطرے کا انشورنس کرایا جا رہا ہو، وہ اتنے زیادہ افراد کو لاحق ہو کہ قانون اوسط سے استفادہ ممکن ہو۔ کسی نادر الوقوع امر سے متعلق مالی نقصان کی تلافی کا وعدہ کر کے انشورنس کرنے والا ادارہ اُسی طرح قمار بازی کا مرتکب ہوگا جس طرح مذکورہ بالا مثال میں انشورنس کرنے والا فرد۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی خطر محض کے امکان کی پیمائش ہی ناممکن ہو، کیونکہ یہ خطرا افراد کی اتنی بڑی تعداد کو درپیش نہیں کہ نظریۂ اغلبیت یا قانون اعداد کثیرہ سے کوئی رہنمائی حاصل کی جا سکے، تو انشورنس کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ معاملہ اجتماعی نہیں رہ جاتا بلکہ انفرادی بن جاتا ہے ممکن ہے واقع ہو، ممکن ہے واقع نہ ہو۔ اس کے برعکس جب متعلقہ خطرے کا، افراد کی تعداد کثیر میں، ایک خاص نسبت کے مطابق واقع ہونا یقینی ہو تو مسئلہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ پھر انشورنس کرنے والے ادارہ کے لحاظ سے مالی ذمہ داری واضح اور متعین ہے نہ کہ بخت و اتفاق پر منحصر۔

دورِ جدید میں ایسے طریقے بھی اختیار کئے گئے ہیں جن میں مختلف قسم کے خطرات کو ایک ساتھ نگاہ میں رکھتے ہوئے ان کے مجموعہ پر قانون اعداد کثیر کا اطلاق ممکن پایا گیا ہے۔ اس مقالہ میں ان صورتوں کا تفصیلی جائزہ لینا ممکن نہیں۔ انشورنس کی ان نادر صورتوں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لے کر یہ رائے قائم کرنی چاہیئے کہ ان میں سے کون صورتیں قمار سے آلودہ ہیں۔ جہاں تک اصل طریقۂ انشورنس کا سوال ہے وہ

قمار سے پاک ہے اور اس کی اکثر معروف شکلوں کے قمار سے پاک ہونے کے بارے میں صرف مذکورہ بالا پہلے معیار پر جانچ کر اطمینان حاصل کیا جا سکتا ہے۔

## انشورنس کی مجوزہ تنظیم

مذکورہ بالا غور و بحث کی روشنی میں انشورنس کی تنظیم کے سلسلے میں ایک جدید اسلامی معیشت کے لئے جو طریقۂ کار موزوں معلوم ہوتا ہے وہ اجمالاً یہ ہے۔

۱۔ انسانی جسم و جان اور صحت سے متعلق خطرات کا انشورنس پوری طرح ریاست کے زیرِ اہتمام عمل میں آنا چاہیے اور یہ اہتمام حاجت روائی کرنے والے کفالت عامہ کے نظام سے ہم آہنگ اور مربوط ہونا چاہیئے۔ خطرہ پیش آجانے کی صورت میں اگر حاجت مندی پیدا ہو جائے تو ہر فرد کو اتنی امداد ملنے کی ضمانت حاصل ہونی چاہیے کہ اس کی اور اس پر معاشی حیثیت سے انحصار کرنے والے متعلقین کی ضروریات زندگی پوری ہوتی رہیں گی۔ یہ ضمانت بغیر کسی پریمیم ادا کئے حاصل ہونی چاہیئے۔ البتہ جب انسانی جسم و جان یا صحت کو کسی حادثے یا کسی آجر کی سپرد کردہ ذمہ داری کی انجام دہی میں نقصان پہنچا ہو تو متعلق فرد کی امداد اور نقصان کی تلافی کی ذمہ داری متعلقہ صنعتی کارخانہ یا آجر کے سر ڈالی جا سکتی ہے۔ یہی طریقہ بے روزگاری کی صورت میں دی جانے والی امداد کے بارے میں اس صورت میں اختیار کیا جا سکتا ہے جب کسی آجر کا کوئی مخصوص اقدام کسی فرد کی بے روزگاری کا سبب بنا ہو۔

اس اہتمام کے ساتھ ساتھ اس بات کا موقع بھی فراہم کیا جانا چاہیئے کہ متعلقہ فرد اپنی یا اپنے پسماندگان کی معاشی کارکردگی بحال رکھنے، کاروبار کا تسلسل قائم رکھنے اور اپنے کاروباری ادارے یا خاندان کے اقتصادی مفاد کو مذکورہ بالا خطرات کے مالی صدمات سے محفوظ رکھنے کے لئے ریاست سے ملنے والی امداد کے علاوہ، انشورنس کے ذریعے نقصان کی تلافی کا اہتمام کر سکے۔ انشورنس کا یہ نظام بھی ریاست کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ بیمہ زندگی، طبی انشورنس اور اکثر حادثات سے انشورنس ریاست کی تحویل میں آجانی چاہیئے۔

۲۔ مال و املاک سے وابستہ خطرات کا انشورنس بھی ریاست کے زیرِ اہتمام ہونا چاہیئے۔ ان خطرات کے ضمن میں انسدادی تدابیر کی بڑی اہمیت ہے۔ جدید تمدن میں مؤثر انسدادی تدابیر اختیار کرنا ریاست ہی کے لئے ممکن ہے، بالخصوص ایسی صورت میں جب اس کی ضرورت سب کو ہے مگر اس کی لاگت ہر ایک نہیں برداشت کر سکتا۔ ریاست کو

ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہییں کہ مال واملاک، آتش زدگی، غرقابی، سیلاب، زلزلہ، طوفان، ژالہ باری، چوری وغیرہ خطرات سے محفوظ رہیں۔ یہ اہتمام تمام شہریوں کے مال واملاک کے لیے ہونا چاہیے اس اہتمام کے باوجود خطرات پیش آسکتے ہیں۔ افراد کو اس بات کا موقع دینا چاہیے کہ وہ ان خطرات سے وابستہ مالی نقصانات کے پیشِ نظر انشورنس کرا سکیں۔ ایسی صورت میں نقصان کی تلافی کے طور پر دی جانے والی رقم کی تعیین پہلے سے طے شدہ معاہدہ کی روشنی میں ہونا چاہیے جس کے مطابق صاحب مال واملاک نے پریمیم ادا کرنے کی ذمہ داری لی ہو۔ مال واملاک سے وابستہ خطرات کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصان سے جب 'حاجت مندی' کی صورتِ حال رُونما ہو جائے تو کفالتِ عامّہ کے نظام کے تحت متعلق فرد کو اتنی امداد ملنی چاہیے کہ اس کی حاجت روائی ہو جائے۔ یہ ضمانت کوئی پریمیم ادا کیے بغیر حاصل ہونی چاہیے۔ جس طرح کے انشورنس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس کا منشاء صرف حاجت روائی نہیں بلکہ نقصانات کی تلافی ہے۔ البتہ افراد کو اس کی آزادی ملنی چاہیے کہ وہ پریمیم ادا کرنے کی استطاعت کے مطابق املاک کی پوری مالیت یا اس کے کسی جزو کا انشورنس کرائیں۔

مناسب ہوگا کہ صنعتی کارخانوں، بحری جہازوں، دوکانوں اور سواری کی اہم اقسام (مثلاً ہوائی جہاز، موٹر کار، موٹر بوٹ وغیرہ) کا انشورنس لازمی ہو۔ رہائشی مکانات کے سلسلے میں بھی ان ہی خطوط پر سوچا جا سکتا ہے۔

مال واملاک کی کم اہم قسموں کے انشورنس کے سلسلے میں انشورنس کے نجی کاروباری اداروں کی طرف رجوع کی بھی اجازت دی جا سکتی ہے۔

ذمہ داریوں، حقوق ومفادات اور عام معاہدات سے متعلق انشورنس کے تمام مروّجہ اور ممکن اقسام کا تفصیلی جائزہ لے کر ان میں سے ہر قسم کے بارے میں الگ الگ اس بات کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان کا انشورنس ریاست کے ہاتھوں میں ہو یا نجی کاروباری اداروں کے ہاتھوں میں، یا افراد کو دونوں میں سے کسی طرف بھی رجوع کرنے کی آزادی دی جائے۔ مثال کے طور پر بنکوں میں کھاتہ داروں کی امانتوں کا انشورنس نظام بنک کاری کا جزو ہونا چاہیے اور ریاست کے قائم کردہ مرکزی بنک کی سرپرستی میں عمل میں آنا چاہیے۔ مگر عام تجارتی ادھار لین دین سے متعلق انشورنس کا کام انشورنس کے نجی اور تعاونی اداروں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

دورِ جدید میں انشورنس کی نت نئی قسموں کا تعلق زیادہ تر اسی آخر الذکر دائرے سے ہے۔ یہ دائرہ جدت طرازی اور ذہانت کے ساتھ نئے طریقے وضع کرنے کے لیے ایک وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ تمدن کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی کے پیشِ نظر ایسا ہونا ناگزیر ہے اور ان کے بغیر ملکی اور عالمی معیشت کا سہولت اور کارکردگی کے ساتھ کام کرنا دشوار ہوگا۔ البتہ اس دائرے میں اس بات کا خطرہ بھی زیادہ ہے کہ قمار سے آلودہ طریقے اختیار کر لیے جائیں اور ایسے امور میں بھی انشورنس کو روا رکھا جائے جس کے ضمن میں قانونِ اوسط سے استفادہ، متعلقہ اُمور کی نُدرت کے پیشِ نظر مشتبہ ہو۔ اس محدود مطالعے میں ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ انشورنس کی ان مروجہ اور ممکن اقسام کا تفصیلی جائزہ لے کر ان پر الگ الگ حکم لگا سکیں۔ یہ کام علیحدہ سے کیا جانا چاہیئے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان قسموں کا تعلق عملاً زیادہ تر دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے وہ پس ماندہ ممالک جن میں معیشت کی اسلامی تنظیم نو ایک عملی مسئلہ بن کر سامنے آسکتی ہے۔ ابھی بڑے پیمانے پر اس قسم کی انشورنس سے روشناس نہیں ہو سکے ہیں۔

مذکورہ بالا تین نکات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری تجویز کے مطابق بیمۂ زندگی بحری نا پین، آتش زدگی اور حادثات سے متعلق انشورنس کی اکثر قسمیں ریاست کے ہاتھوں میں ہوں گی البتہ بعض حادثات اور حقوق مفادات نیز عام معاہدات سے وابستہ انشورنس کا کام زیادہ تر نجی دائرے میں انجام پائے گا۔

## انشورنس اور ہندوستانی مسلمان

جیسا کہ ہم نے آغازِ مطالعہ میں واضح کر دیا ہے، ہمارا مقصد ایک اسلامی سماج میں، جہاں پوری زندگی جدید معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی ہدایات کے مطابق گذارنے کی کوشش کی جائے، انشورنس کی تنظیم پر غور کرنا تھا۔ ہندوستان کے ملے جلے سماج میں مسلمان انشورنس کی ضرورت کس طرح پوری کریں، یہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔ البتہ ہمارے مطالعے سے بعض ایسی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا جس میں ہمارے نزدیک اس مسئلے پر غور کرنے والے بعض حضرات مبتلا رہے ہیں جس کا اثر ان کی رایوں پر گہرا پڑا ہے۔ مثلاً یہ غلط فہمی کہ انشورنس فی الاصل قمار ہے یا یہ کہ انشورنس کی ضرورت صرف استثنائی حالات میں بعض افراد کو پیش آتی ہے۔ ہندوستان میں انشورنس کے مسئلے پر غور کرنے والوں کے سامنے ہم چند سوالات ضرور رکھنا چاہتے ہیں۔

جن کا واضح جواب سامنے رکھ کر ہی اس مسئلے پر کوئی رائے قائم کرنا ممکن ہوگا۔

۱۔ کیا ہندوستان کو غیر سودی بنک کاری اور سود سے پاک مالی نظام اختیار کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے بعد مسلمان انشورنس کی ان تمام شکلوں کو اختیار کر سکیں جو سود سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ قمار اور دوسرے مفاسد سے آلودہ نہ ہوں۔

۲۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے ملے جلے سماج میں مسلمان اپنی ضروریات انشورنس کی تکمیل کا علیٰحدہ اہتمام کر سکیں۔

۳۔ اگر یہ دونوں باتیں ممکن نہ ہوں اور ہندوستان کے مسلمان انشورنس سے اجتناب کا فیصلہ کریں تو اس کے اثرات و نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔

۴۔ کیا شریعت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ پہلی یا دوسری بات کو اپنا طویل المیعاد مقصود بنا کر اس کے لیے مخلصانہ منظم کوشش کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کے مسلمان سود سے آلودگی کے باوجود انشورنس کی ان قسموں کو اختیار کر لیں۔ جو قمار یا کسی دوسری خرابی سے آلودہ نہ ہوں

۵۔ اگر چوتھے سوال کا جواب اثبات میں ہو، اور یہی طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جائے تو اس رویہ کے بارے میں اس پہلو سے اطمینان درکار ہوگا کہ یہ داخلی تضاد کا شکار تو نہیں جو عملاً طویل المیعاد مقصد کے حصول میں مانع ہوگا۔ بلکہ موجودہ حالات میں مؤثر اسلامی زندگی کا ایک ناگزیر پہلو ہے۔

یہاں ان سوالات کا جواب دینا مقصود نہیں۔ نہ کوئی جواب بغیر تفصیلی بحث کے دیا جا سکتا ہے۔ سچ پوچھیے تو خود مقالہ نگار ابھی تک بحث و تجزیے کے ذریعے ان سوالات کے ایسے جواب نہیں دے سکا ہے جنھیں اجمال کے ساتھ بیان کر دینا ممکن ہو۔ اُسے صرف اس بات کا احساس ہے کہ ان سوالات سے عہدہ برآ ہوئے بغیر مسئلہ کا صاف ہونا ممکن نہیں، قدیم اصطلاحوں میں مسئلہ کا حل تلاش کرنے سے بہتر ہوگا کہ ان سوالات پر کھل کر بحث و مذاکرہ ہو اور مسئلہ کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لے کر امت کا اجتماعی ذہن کسی نتیجہ تک پہنچے۔ امید ہے کہ ہمارے اس مطالعہ سے بھی اس کام میں کچھ مدد ملے گی۔

---

ضمیمہ:

# بیمہ زندگی پر اعتراضات کا جائزہ

زندگی کے بیمہ پر کیے جانے والے اعتراضات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم کے اعتراضات اس رائے پر مبنی ہیں کہ انشورنس میں قمار، ربا اور غرر جیسی شرعی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ اعتراض صرف زندگی کے بیمہ پر نہیں بلکہ ہر طرح کے انشورنس پر عائد ہوتا ہے ہم نے گذشتہ صفحات میں اس اعتراض کا اسی عمومی سطح پر جائزہ لیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ قمار اور انشورنس میں جو بنیادی فرق واضح کیا گیا ہے وہ زندگی کے بیمہ پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ یہ موقف کہ موٹر کار یا بحری جہاز یا دوکانوں کو پیش آنے والے حوادث کے مالی نقصانات کی تلافی کے لیے کیا جانے والا بیمہ درست ہے مگر زندگی کا بیمہ درست نہیں ہے۔ مذکورہ بالا شرعی قباحتوں کے حوالے سے اختیار کیا جائے تو درست نہیں ہوسکتا کیونکہ دونوں صورتوں میں انشورنس کی ماہیت میں کوئی فرق نہیں ہے

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے زکاۃ اور مستحقین کی امداد کے دوسرے انتظامات کے ذریعہ نیز تمام مستحقین کی کفالت و دستگیری کی ذمہ داری آخری طور پر ریاست پر عائد کر کے اس حقیقی ضرورت کو پورا کر دیا ہے جس کو پورا کرنے کے لیے زندگی کے بیمہ کا طریقہ اختیار کرنے پر غور کیا جا سکتا تھا۔ اب علیحدہ سے اس طریقہ کو روا رکھنا غیر ضروری ہے اگر ایسا کیا گیا تو نئے مسائل اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ناپسندیدہ نتائج رُونما ہوں گے۔ مثلاً پالیسی کے نتیجے میں ملنے والی رقم اسلام کے قانونِ وراثت کے مطابق نہیں تقسیم ہو گی بلکہ

نامزد فرد کو ملے گی۔ اس بات کا بھی اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ نامزد فرد اس آدمی کی موت کے درپے ہو جائے گا جس کی موت سے اس کو ایک گرانقدر رقم ملنے والی ہو۔ یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ مرنے والے کی موت سے جو نقصان خود اُس کو پہنچا اُس کی تلافی تو اس لیے ممکن نہیں کہ اب وہ موجود نہیں رہا، پھر یہ دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ انشورنس کے ذریعہ غیر متوقع نقصانات کی تلافی مقصود ہے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں واضح کیا ہے کہ اسلامی نظام کفالت کے مکمل نظام کے باوجود زندگی کے بیمہ کی گنجائش باقی رکھنا کن اقتصادی فوائد کے پیش نظر ضروری ہے۔ جس اقتصادی ضرورت کی تکمیل بیمہ کرتا ہے وہ اس احتیاج سے مختلف ہے جس میں مرنے والے کی موت سے اس کے متعلقین مبتلا ہو سکتے ہیں۔ نظام کفالت احتیاج رفع کر سکتا ہے لیکن متعلقہ خاندان کی معاشی کارکردگی کو بحال رکھنے کا بار اس پر ڈالنا ممکن نہیں۔ ان تمام صورتوں میں جب کہ مرنے والے کی موت نے متعلقین کو محتاج نہ چھوڑا ہو، مگر اس حادثہ سے ان کی معاشی کارکردگی مجروح ہوئی ہو، کفالت عامہ کا نظام کوئی سہارا نہیں دے سکے گا۔ ایسی صورت میں اگر لوگ ایک جائز طریقہ اختیار کر کے معاشی کارکردگی کو بحال رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں تو اُن کو اس سے روکنے کی کون سی معقول وجہ ہو سکتی ہے۔ انھیں ایسا کرنے کی اجازت دینا کیا اسلامی سماج کی معاشی خوش حالی اور ترقی کے لیے مفید نہیں ہوگا۔؟

انسانی سماج میں افراد کا مطمح نظر صرف ذاتی نفع کا حصول یا ذاتی نقصانات کی تلافی نہیں ہوتا بلکہ کم از کم، اپنے اہل و عیال اور قریبی رشتہ داروں کو نفع پہنچانا، نقصان سے بچانا، اور نقصان واقع ہونے پر اس کی تلافی کا اہتمام کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس امر کی تصدیق انفرادیت زدہ سرمایہ دارانہ سماج کے مطالعہ سے بھی ہوتی ہے۔ رہا اسلامی سماج تو بجا طور پر ہمیں توقع ہے کہ اس میں افراد اپنے متعلقین کے بہی خواہ ہوں گے بلکہ اس دائرہ سے باہر افراد کو بھی نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ سوال بے جا ہے کہ جب مرنے والا موجود نہ رہا تو اب نقصان کی تلافی کیسی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کہ آدمی کی سعی و جہد کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے متعلقین کے لیے مال مہیّا کر جائے اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی سعی و جہد کا سلسلہ یکایک منقطع ہو جانے سے متعلقین کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس کی تلافی کا بندوبست بھی کر جائے۔

یہ بات پہلے بھی درست تھی اور دور جدید میں بھی درست ہے کہ معیشت کی بنیادی اکائی فرد کو نہیں خاندان کو سمجھنا چاہیے۔ جس دور میں پیداوار دولت کی تنظیم اور چھوٹے پیمانہ پر معاشی سعی و جہد کی منصوبہ بندی بھی پہلے سے زیادہ طویل المیعاد بنیادوں پر کی جانے لگی ہو، کیونکہ سامان سرمایہ استعمال کرنے والے ٹکنالوجی کے پیش نظر ایسا کرنا لازم ہو گیا ہے، اس دور میں فرد کی بجائے خاندان کو اکائی سمجھنا زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔ اگر ہم ترقی یافتہ "آزاد" (سرمایہ دارانہ) معیشتوں کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ چند خاندانوں کی مسلسل معاشی کارکردگی پورے سماج کو معاشی طور پر آگے لیجانے کا سبب بنتی ہے اسلامی سماج میں فرد و خاندان کے باہمی رشتوں پر نگاہ ڈالیں تو بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ افراد کا مرکزِ توجہ اپنی ذات ہی نہیں بلکہ اپنے خاندان کی معاشی خوش حالی اور کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان تمام حقائق کا تقاضا ہے کہ افراد کو اس بات کے وسیع مواقع فراہم کیے جائیں کہ وہ اپنی اچانک موت سے پہنچنے والے مالی صدمہ سے خاندان کی خوشحالی اور کارکردگی کو محفوظ رکھنے کا جو اہتمام بھی، کرنا چاہیں کریں۔ جس طرح اس مقصد کے لیے اپنی کمائی ہوئی دولت میں سے پس انداز کرکے ترکہ چھوڑنا جائز ہے اسی طرح اس مقصد کے لیے دوسرے جائز طریقے اختیار کرنا بھی عین مناسب ہے۔

جہاں تک انشورنس پالیسی کی رقم پانے والوں کی نامزدگی کا طریقہ اختیار کرنے سے اسلام کے قانون وراثت کی خلاف ورزی لازم آنے کا سوال ہے یہ کوئی دشوار مسئلہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں وراثت کے ساتھ ہی وصیت کے بارے میں اسلامی قانون کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے۔ جس حد تک مؤخر الذکر قانون کے مطابق نامزدگی کا طریقہ جائز ہو سکتا ہو

اس کی اجازت دینی چاہیے۔ اس دائرہ کے باہر متعلقہ رقم کی تقسیم اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق انجام پانی چاہیے۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر انشورنس کے متعلقہ ضوابط میں ضروری ترمیم کی جاسکتی ہے۔ یہ بات ہم نے شروع ہی میں واضح کردی ہے کہ ہمارا موضوع موجودہ سماج میں انشورنس اور متعلقہ ضوابط نہیں ہیں۔ بلکہ ایک اسلامی معاشرہ میں انشورنس ہے جہاں انشورنس سے متعلق جملہ قواعد وضوابط پر شرعی اصولوں کی روشنی میں نظرِ ثانی کی جاسکے گی۔

رہی یہ بات کہ جس فرد کو کسی دوسرے فرد کی موت سے مالی فائدہ پہنچ سکتا ہو وہ اس کی جان کے درپے ہوسکتا ہے تو بلاشبہ بعض بُرے انسان اس حد تک بھی جاسکتے ہیں اس کا امکان صرف زندگی کے بیمہ کی وجہ سے نہیں پیدا ہوتا کہ اس کو ممنوع قرار دے کر یہ اندیشہ دور کیا جاسکے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ہونے والے وارث نے اپنے مورث کی جان لے لی یا اس کی جان جانے کا سبب بنا۔ اس مجرمانہ ذہنیت کا مقابلہ بھی اسی طرح کیا جاسکتا ہے جس طرح کہ دوسرے سماج دشمن رجحانات کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ یعنی تعلیم وتربیت کے ذریعہ اصلاح کی کوشش، ساتھ ہی جرم کے لیے سخت سزا مقرر کرنا تاکہ اس سزا کا علم لوگوں کو جرم سے باز رکھے۔ مزید برآں شریعت میں یہ مستقبل ضابطہ موجود ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔ زیرغور صورت حال پر بھی یہ ضابطہ منطبق کیا جاسکتا ہے۔ کسی ایسے افراد کو پالیسی کی رقم نہیں ملنی چاہیے جو بیمہ کرانے والے کا قاتل ہو یا اس کی موت کا سبب بنا ہو۔ اسی طرح پالیسی کی رقم نامزد افراد کو منتقل کرانے کے محرک کے تحت خودکشی کے سدِّباب کے لیے ایسا ضابطہ بنایا جاسکتا ہے جس سے خودکشی کی صورت میں پالیسی کی رقم بحق سرکار ضبط ہوجائے تاکہ اس کا علم خودکشی کو روک سکے۔ موجودہ قوانین میں بھی ایسے ضوابط موجود ہیں جن پر ماضی کے تجربہ اور تازہ غور وفکر کی روشنی میں نظرِثانی کرکے انھیں بہتر بنایا جاسکے۔

بیمہ زندگی پر بالخصوص اور ہر طرح کے انشورنس پر بالعموم ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انشورنس کمپنیاں سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم آلہ ہیں جن کے ذریعہ عوام کی بچت

کو چند مراکز پر جمع کر کے ان کی سرمایہ کاری کرنا اور اس کے ذریعہ عوام کا استحصال کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ اعتراض موجودہ سرمایہ دارانہ نظام پر وارد ہو سکتا ہے۔ مگر جس سیاق میں ہم نے انشورنس کا مطالعہ کیا ہے اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی معیشت میں سود حرام ہوگا۔ مشترکہ سرمایہ کا نفع اور استعمال شرکت اور مضاربت کے اصول پر عمل میں آئے گا اور استحصال بے جا کے سد باب کے لیے ہر ممکن اہتمام کیا جائے گا۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے اس بات کی اہمیت واضح کی ہے کہ پریمیم کے ذریعہ جمع ہونے والے کثیر سرمایہ کی سرمایہ کاری سماجی مفادات و مصالح کے تابع ہونی چاہیے اور سماجی ترجیحات کے مطابق عمل میں آنی چاہیے ہماری تجویز کے مطابق زندگی کا بیمہ تمام تر اور جنرل انشورنس زیادہ تر پبلک سیکٹر میں ہونا چاہیے۔ ریاست کے زیر اہتمام انشورنس کی تنظیم کے بعد عوامی سرمایہ کا سماجی مقاصد کے مطابق استعمال عمل میں لایا جا سکے گا۔ ساتھ ہی ہم نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ زندگی کے بیمہ کو ریاست کے ہاتھوں میں رکھ کر اسے کفالت عامہ کے نظام کے ساتھ مربوط اور ہم آہنگ رکھتے ہوئے منظم کیا جائے۔ ایسی صورت میں زیر غور اعتراض کا کوئی وزن نہیں رہ جاتا۔

---